فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۶۷

جنوری ۱۹۵۱ء تا جون ۱۹۵۱ء عیسوی

(بترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین معارف

جلد ۶۷

جنوری سنہ ۱۹۵۱ء تا جون سنہ ۱۹۵۱ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۶۷ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۵۱ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

افسوس ہو کہ گذشتہ ۱۵ دسمبر کو ہماری قومی عمارت کا ایک آہنی ستون گر گیا، اور سردار پٹیل ہم سے جدا ہوگئے، ملک و قوم کی راہ مین اُن کی بڑی قربانیان اور بڑی خدمات ہین، وہ جنگ آزادی کے نامور ہیرو گاندھی جی کے دست راست اور جدید ہندوستان کے رکن اعظم تھے، گو قومی نقطۂ نظر سے اُن کے بعض خیالات صحیح نہین تھے جس سے ملک کو نقصان پہنچا، لیکن اس غلطی کے احساس اور اُس کے بُرے نتائج دیکھنے کے بعد انھون نے اس کی تلافی کی بھی پوری کوشش کی، فرقہ پرستی کی بھڑکتی ہوئی آگ کو انھی نے بجھایا، اور نہرو لیاقت پیکٹ کو انھی نے کامیاب بنایا، اگر اُن کی تائید حاصل نہ ہوتی، تو ہندوستان اور پاکستان کی اقلیتون پر دونون ملکون کی سرزمین تنگ ہو جاتی، اور آخر مین وہ اقلیتون کے تحفظ ملک مین قیام امن اور پاکستان سے مفاہمت کے مسائل مین بڑی حد تک جواہرلال کے ہم نوا ہوگئے تھے، اور ملک کے ضبط و نظام اور امن و امان کا دار و مدار انھی پر تھا، اُن کا سب سے نمایان وصف ان کا کوہ وقار عزم و استقلال تھا، وہ بولتے کم تھے، مگر جو کچھ کہتے یا چاہتے تھے، اس کو پورا کرکے رہتے تھے، اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ریاستون کا انضمام ہے، جو انگریزون سے بھی نہ ہو سکا تھا، انھون نے تاریخ مین پہلی مرتبہ ہندوستان کو ایک متحدہ ملک بنایا، آیندہ ہندوستان مین اس عزم و ارادہ کا انسان مشکل سے پیدا ہوگا، اور اُس کی تاریخ مین اُن کا نام ہمیشہ روشن رہے گا،

بعض اخبارات سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ دار الترجمہ حیدرآباد کی کتابین اصل قیمت سے اسی فی صدی سے کم پر فروخت کی جا رہی ہین، اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو اُس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے، یہ وہ بیش قیمت علمی ذخیرہ ہے، جو لاکھون روپیہ کے صرف اور بڑے بڑے اصحاب علم و کمال کی برسون کی محنت اور جانکاہی کا نتیجہ تھا، جو اس طرح کوڑیون کے مول اور ردی کے بھاؤ بک رہا ہے، کیا یہ

واقعہ دورِ وحشت کے فاتحین کے ہاتھون کتب خانون کی بربادی کے واقعات سے کم اہم اور درد انگیز ہے، اگر یہ عذر ہے کہ اب حکومت کی زبان ہندی ہوگئی ہے، اس لئے اردو کتابون کی ضرورت باقی نہین رہی تو یہی عذر قدیم حکومتون کے لئے بھی تھا کہ اُن کی زبان مفتوح قومون کی زبان سے مختلف تھی، اس واقعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ کتب خانون کی تباہی انسان کے دورِ جہالت کی باتین تھین، یہ سلوک تو اجنبی غیر ملکی حکومت نے بھی ملکی زبانون کے ساتھ نہین کیا تھا، انگریزون نے اپنے ابتدائی دور مین اردو اور دوسری ملکی زبانون کو جس طرح ترقی دی وہ ابھی تاریخ مین محفوظ ہے، لیکن ان واقعات کے بعد بھی قومی ملکی حکومت کی برکتون سے انکار کی کس کو مجال ہے،

انگریزی زبان اپنی علمی وسعت اور بین الاقوامی اہمیت کی بنا پر ایسی ناگزیر ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر کوئی آواز دنیا تک نہین پہنچ سکتی، اس لئے اسلامیات کی اشاعت اور اس کو دنیا تک پہنچانے کے لئے بھی انگریزی کا وسیلہ ضروری ہے، حیدرآباد کا مشہور انگریزی رسالہ اسلامک کلچر اس کام کو عرصہ سے انجام دے رہا ہے، اور اُس کے ذریعہ انگریزی کے بہت سے اچھے اہل قلم پیدا ہوئے، لیکن معلوم نہین وہ کب تک اسلامی رہ جائے، اس کے علاوہ اب اس قسم کے فرائض کا بار پاکستان کو اٹھانا ہے، اس لئے پاکستان مین ایک معیاری انگریزی رسالہ کی بڑی ضرورت ہے، شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور جو انگریزی تصانیف کی اشاعت کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون کی مفید خدمت انجام دے رہے ہین، اسلامک لٹریچر کے نام سے ایک ماہانہ انگریزی رسالہ بھی نکالتے ہین، لیکن ابھی اس کو بہت ترقی دینے کی ضرورت ہے، اگر اسی کو اسلامک کلچر کے معیار پر لے آیا جائے، تو یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے، ہندوستان اور حیدرآباد کے بہت سے اصحاب علم و قلم پاکستان مین جمع ہوگئے ہین، اس لئے وہان سے ایک معیاری انگریزی رسالہ نکالنا مشکل نہین ہے،

اورنٹیل کالج لاہور کا مشہور سہ ماہی میگزین ایک زمانہ مین اردو کا نہایت ممتاز اور بلند پایہ علمی رسالہ تھا، لیکن پنجاب کے انقلاب کے بعد سے اُس کا معیار گر گیا تھا، اب اُس کی عنانِ ادارت ہمارے لائق دوست ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ کے ہاتھون مین آگئی ہے، اور اُن کی توجہ سے اُس کے ظاہری قالب اور معنوی حیثیت دونون مین نمایان تبدیلی ہوگئی ہے، اور اب وہ لیتھو کے بجائے خوبصورت

ٹائپ مین چھپنے لگا ہے، اور مضامین کے لحاظ سے بھی قریب قریب اپنے پرانے بلند معیار پر آگیا ہے، پاکستان مین تو دیر سویر اس قسم کے کام ہوتے ہی رہین گے، قابلِ رحم حالت تو ہندوستان کے اُن علمی رسالون کی ہے جن کے مضمون نگار پہلے ہی سے کم تھے، ان مین سے بھی بہتون نے پاکستان کی راہ لی، اور اب ان کی جگہ ہندوستان مین نئے مضمون نگار پیدا نہین ہو سکتے، اس لئے اگر پاکستان کے مہاجر و انصار فضلاء نے اپنے دیرینہ علمی رفقاء کو بھلا دیا، تو ہندوستان علمی آثار قدیمہ کا میوزیم بن جائے گا،

انجمن ترقی اردو ہند کا سہ ماہی رسالہ بڑے انتظار کے بعد بالآخر اردو ادب کے نام سے نکل آیا گو حالات کے اعتبار سے اس کا رنگ پرانے رسالہ اردو سے کسی قدر مختلف ہے، لیکن یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ علمی و ادبی حیثیت سے وہ اپنے پیشرو کا پورا بدل ہے، اور اس کے پہلے نمبر کے تمام مضامین متنوع مفید اور بلند پایہ ہین، اس کی ادارت ایسے بامذاق ادیب کے ہاتھون مین ہے کہ یقین ہے کہ آئندہ اس کا معیار بلند تر ہوتا جائے گا، اب یہ فرض اردو کے ہواخواہون کا ہے کہ وہ اس رسالہ کے خریدار بن کر اس کے مصارف کے بار سے کم از کم انجمن کو سبکدوش کر دین،

ہندوستان مین حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کی عظمت اور گوناگون حیثیتون کے باوجود اب تک ان کی بہت سی تصانیف کے چھپنے کی نوبت نہین آئی ہے، ڈاکٹر وحید مرزا صاحب ریڈر شعبۂ عربی و اسلامی کلچر لکھنؤ یونیورسٹی جنھون نے امیر خسرو کے حالات مین انگریزی مین ایک محققانہ کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ یا تلخیص بھی ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے شائع ہو چکی ہے، اب اُن کی مشہور مثنوی نہ سپہر کو بڑی محنت و قابلیت سے ایڈیٹ کیا ہے، جو بمبئی کے مشہور اسلامی ادارہ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن کی جانب سے خوبصورت ٹائپ مین شائع ہوئی ہے، اب ہندوستان مین جہان اردو ہی ختم ہو رہی ہے، فارسی زبان کی قدر دانی کا کیا سوال، لیکن امیر خسرو کی بعض دوسری مثنویون کی طرح نہ سپہر مین بھی اس زمانہ کے ہندوستان کی تاریخ تہذیب و معاشرت رسم و رواج اور علوم و فنون وغیرہ کے متعلق نہایت مفید معلومات ہین، اس لئے یہ کتاب ادبی حیثیت کے علاوہ تاریخی حیثیت سے بھی تاریخ ہند سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے، فاضل مرتب کا مقدمہ بھی مفید معلومات پر مشتمل ہے،

مقالات

شیخ فرید الدین عطّار کے حالات و تصانیف کے متعلق ہند و ایران کے علما کی تحقیقات

از

ڈاکٹر محمد ابراہیم ڈار اُستاذ عربی اسمٰعیل کالج بمبئی

فارسی زبان مین صوفیانہ شاعری کے اقانیم ثلاثہ مین عطّار دوسرے رکن ہین، سنائی اور رومی کی طرح عطّار بھی تصوف کی دنیا مین ایک امتیازی حیثیت کے مالک ہین، بہت کم ایسی کتابین ہون گی جنھین فارسی زبان مین پندنامۂ عطّار کی سی مقبولیت حاصل ہو، نظم مین اُن کی مثنوی منطق الطیر اور نثر مین تذکرۃ الاولیا زندۂ جاوید یادگار ہین، حیرت کا مقام ہے کہ ایسے بلند پایہ شاعر اور بزرگ کے سوانح حیات کا مرقع محض ناتمام ہی نہ ہو، بلکہ بہت حد تک مبالغہ آمیز افسانون پر بھی مشتمل ہو، دوسرون کی طرف تو محض چند اشعار کا انتساب کیا جائے، لیکن عطّار کی طرف پوری کی پوری کتابین منسوب کر دی جائین، اور اس پر طرہ یہ کہ بڑے بڑے محققین اس انتساب کی صحت کو پرکھنے کے بجائے اس پر بغیر کسی تذبذب کے اظہار کے ایمان بھی لے آئین،

عطّار کا تذکرہ لباب الالباب اور تاریخ گزیدہ مین سوائے مبالغہ آمیز تعریف کے کچھ نہین، نفحات الانس مین بہت کچھ ہے، لیکن اس کے بیانات مین حقیقت اور افسانہ کو کچھ اس طرح

مخلوط کر دیا گیا ہے کہ اصل اور سچائی کا سراغ لگانا دشوار ہے، دولت شاہ، امین احمد رازی اور بعد کے تذکرہ نگاروں کے یہاں وہی نفحات الانس کی ہی اطلاع کم و بیش دہرائی گئی ہے، یہی وجہ ہو کہ دورِ حاضر کے سب سے بڑے ایرانی محقق علامہ محمد قزوینی نے تذکرۃ الاولیا، پر مقدمۂ انتقادی لکھتے وقت اس اطلاع سے قطع نظر کر کے خود عطار کی تصانیف کی طرف رجوع کیا، کیونکہ ایک مصنف کے سوانحِ حیات کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ماخذ اس کی خود نوشتہ تحریریں ہیں،

مرزا قزوینی جیسے عالم متجر سے توقع تھی کہ وہ ہمیں افسانہ کی دنیا سے نکال کر حقائق و واقعات کی وادی کی سیر کرائیں گے، اور عطار کے متعلق بے بنیاد افسانوں کے تار و پود کو بکھیر کر ایک صحیح اور سچا مرقع پیش کریں گے، لیکن افسوس ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ عطار کے سوانحِ حیات مرتب کرنے کی غرض سے میرزا قزوینی کی نظرِ انتخاب منظر العجائب اور لسان الغیب پر پڑتی ہے، عطار کی اصلی تصنیفات کے مقابلے میں یہ دونوں کتابیں کم پایہ ہیں، اُن کی زبان میں متانت اور پختگی نام کو نہیں، شعروں کی بندش بالکل سُست اور کمزور ہے، خود علامہ قزوینی کی اپنی شہادت ملاحظہ ہو،

"واشعار این کتاب بالنسبۃ بسیار اشعار تفاوت واضح دارد، در سُستی و سُستی و قدری رکاکت و ہر کس منطق الطیر و الٰہی نامہ و خسرو گل و دیوان عطار را مطالعہ کردہ باشد برا ے او قدری مشکل است اعتقاد کند کہ صاحبِ منظر العجائب با آنہا یکی بودہ است و ظاہراً علت این انحطاط جمودِ طبع است، در سن کہولت"

(صفحہ ط، ی)

آقاے قزوینی کو اس امر میں ذرا شبہہ نہیں کہ منظر العجائب کو عطار کی دوسری تصانیف سے کوئی

نسبت نہیں اور جس کسی نے منطق الطیر یا دیوان عطار کا مطالعہ کیا ہو اس کے لئے یہ باور کرنا ذرا مشکل ہو کہ منظر العجائب عطار کی تصنیف ہو تاہم یہ نامور محقق اپنے اعتقاد کو ٹھیس نہیں لگنے دیتا، اور یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہو کہ کلام کی تمام سُستی اور انحطاط بڑھاپے کی افسردگی اور اضمحلال کی وجہ سے ہو، دوسرے ماخذ لسان الغیب کے متعلق بھی علامہ قزوینی کی رائے کچھ اچھی نہیں، اُن کے نزدیک منظر العجائب کی طرح اس کتاب کے اشعار بھی سُست اور کمزور ہیں، اور بسا اوقات وزن کے اعتبار سے بھی ساقط ہیں،

"واشعار این کتاب نیز مانند اشعار منظر العجائب ضعیف و بسا از اوقات منکسر الوزن است" (صفحہ یا)

اگر یہ کتابیں ادبی حیثیت سے اس درجہ پست اور فرومایہ ہیں، تو وہ کون سے اسباب ہیں جن کی بنا پر ایران جدید کا سب سے بڑا محقق ان کتابوں کی اصلیت دریافت کرنے کی کوشش نہیں کرتا، اس کی سب سے بڑی وجہ غالباً کتابوں سے حاصل کردہ معلومات کی نوعیت ہو، منظر العجائب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، مصنف بغیر کسی ڈر اور جھجک کے اپنے تشیع کا اظہار کرتا ہے، بارہ اماموں کا حلقہ بگوش ہے، اور غیبت مہدی کا بھی قائل ہو، اس کتاب کے ظہور کے بعد سمرقند کا کوئی فقیہ مصنف کے خلاف ایک ہنگامہ بپا کر دیتا ہے، کتاب جلا دیجاتی ہے اور مصنف کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے، ترک اُس کے مکان پر چڑھ آتے ہیں، اور اس کو خانماں برباد کر دیتے ہیں، توفیق خداوندی اس کے بچنے کا سامان مہیا کر دیتی ہے اور یہ بیچارہ مکہ کی راہ لیتا ہو جہاں پہنچ کر وہ لسان الغیب لکھتا ہے جو بقول قزوینی غالباً عطار کی آخری تصنیف ہے، میرزا قزوینی مندرجۂ ذیل اشعار نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں اپنے تشیع کے اظہار میں شاعر "بصراحت و بدون تقیہ" کہتا ہے :-

شیعۂ پاک است عطار اے پسر جنس این شیعہ بجانِ خود بخر

ما زِ فاروق التجا بر کندہ ایم پے زنو رین شما ببریدہ ایم

بو حنیفہ را ز دست بگذار تو خود برو اندر پے کرار تو

منظر العجائب مین مصنف اپنی سیاحی اور جہان نوردی کے سلسلہ مین دعوی کرتا ہے کہ وہ مکہ، دمشق، مصر، ہندوستان، ترکستان اور چین کی سیر کر چکا ہے، اور بچپن کے زمانہ مین مشہد رضوی مین تیرہ برس گذار چکا ہے، میرزا قزوینی اس امر سے بخوبی واقف ہین کہ عطار کی طرف بعض کتابین منسوب کی گئی ہین، اور ان کا حال عمر خیام اور مولوی رومی کا سا ہے، بلکہ اُن سے بھی عجیب تر ہے، کیونکہ خیام کی طرف بعض رباعیان اور رومی کی طرف مثنوی کے بعض اشعار منسوب کیے گئے ہین، لیکن عطار کی طرف چند پوری کی پوری کتابین منسوب کر دی گئی ہین، جن کے انتساب کو غلط ٹھہرانے کے لئے صرف ایک بار کا مطالعہ کافی ہے، (صفحہ دکا حاشیہ) اسی طرح ایک دوسری جگہ مفتاح الفتوح اور کنز الاسرار کے سلسلہ مین قزوینی لکھتے ہین کہ "یہ عطار کی تصنیفات نہین، مفتاح کا مصنف تو کوئی زنجانی ہے، اور کنز الاسرار کے مصنف کے بارے مین کچھ علم نہین"

(صفحہ نو کا حاشیہ)

علامہ قزوینی کے سلسلہ مین یہ امر قابلِ غور ہے کہ علمی تبحر، وسعت معلومات اور ژرف نگاہی کے باوجود وہ اپنے کو مذہبی عواطف اور رجحانات کے بے پناہ تسلط سے آزاد نہین رکھ سکے، وہ اس قدر راسخ العقیدہ ہین کہ وہ اپنے معتقدات کے خلاف کسی کی بات برداشت نہین کر سکتے، آقا علی اصغر حکمت جو ایران مین وزیر تعلیم کے عہدہ پر فائز رہ چکے ہین، اور ایران کلچرل مشن کے صدر کی حیثیت سے ہندوستان کے مختلف شہرون کا دورہ بھی کر چکے ہین، مولانا جامی کی بڑی محققانہ سوانح عمری مرتب کرتے ہین، اس کتاب کے مطبوعہ اجزا وہ علامہ قزوینی کی خدمت مین ارسال کرتے رہے، جب آقا قزوینی پوری کتاب کا مطالعہ کر چکے تو انھون نے آقا علی اصغر حکمت کی عالمانہ تحقیق کی داد دیتے ہوئے، ایک مفصل خط لکھا، جسے موخر الذکر نے میرزا قزوینی کی اجازت سے بغرض افادہ کتاب کے آخر مین شائع کر دیا ہے، اس طویل

خط مین مرزا نے آقا حکمت کی کامیاب کوشش کی کما حقہٗ قدر شناسی کی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس مسئلہ پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے کہ جامی جنھین حافظ کے بعد بجا طور پر خاتم شعرائے بزرگ زبانِ فارسی ہونیکا فخر حاصل ہے، سرزمینِ ایران مین کیون اس قدر منزلت کے مستحق قرار نہین دیئے گئے، جو انھین ترکی اور ہندوستان وغیرہ مین نصیب ہوئی، میرزا قزوینی کے نزدیک اس عدم مقبولیت کے اسباب جامی کی شخصیت کے بعض پہلوؤن مین تلاش کرنے چاہئین، اُن کی رائے مین اس قدر ناشناسی کا سب سے بڑا سبب یہ ہو کہ جامی باوجود تصوف و عرفان کے مسلک کی طرف مائل ہونے اور ایک منقطع بین یہ دعوی کرنے کے

زہفتاد و دو مذہب گرد جامی رو بعشق تو

بلے عاشق نداند مذہبے جز ترک مذہب ہا

بھی نہین کہ تعصب سے خالی نہین ہین بلکہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ سخت متعصب ہین، اور اس قیاس کے لئے ہمارے پاس کئی قرینے ہین، ایک تو یہ ہو کہ انھون نے اپنی کتاب نفحات الانس مین ان تمام بزرگون کا تذکرہ کیا ہے، جن کا تعلق صوفیون کے گروہ سے ہے، یہان تک کہ ان لوگون کا بھی ذکر کیا ہے جنھین مجذوب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اگر کسی کا مستقل طور سے ذکر نہین کیا، تو ان مشاہیر صوفیہ کا نہین کیا، جو شیعہ ہین، مثلاً سید نعمت اللہ کرمانی، شیخ آذری، سید محمد نور بخش اور شیخ صفی الدین اردبیلی اگرچہ بعض مقامات پر ان بزرگون کا ذکر ضمنی طور پر آ گیا ہے، بہارستان مین آذری پر ایک مختصر نوٹ کے دوران مین لکھتے ہین،

"در اشعار وے طامات بسیار است"

اُن کے مقابلہ مین دولت شاہ اگرچہ خود سُنّی ہے، اور ماوراء النہر کا رہنے والا ہے، جہان کے باشندے تعصب کے لئے مشہور ہین تاہم چونکہ وہ ایک پاک دل اور عارف مشرب اور تعصب سے خالی ہو

اس لئے اُس نے اپنے تذکرۃ الشعرا میں سید نعمت اللہ ولی اور شیخ آذری کا مفصل حال بڑے احترام کے ساتھ لکھا ہے، اور اگر اُس کے تذکرہ میں شیخ صفی الدین اور سید محمد نوربخش جگہ نہیں پا سکے، تو اُس کی وجہ فقط یہ ہے کہ اُن کا شمار شعرا کے زمرہ میں نہیں ہے، جب ایک عام قاری جس کا دل تعصبات مذہبی سے بالکل خالی ہے، جامی کی کتابوں میں یہ چیزیں مشاہدہ کرتا ہے، اور اس کے بعد یہ بھی دیکھتا ہے کہ اپنی نثر و نظم کی کتابوں میں جہاں کہیں جامی کو موقع ملتا ہے، وہ شیعہ کی طعن و قدح کرنے اور ان کو رافضی اور رفض کے نام سے یاد کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، اور ان سب باتوں پر طرفہ یہ کہ ایک طرف تو جامی حضرت امیر اور اہل بیت کی محبت کا دعوی کرتے ہیں، اور امیر علیہ السلام، امام حسینؑ، اور امام علی رضا کی شان میں قصیدے لکھتے ہیں، اور دوسری طرف حضرت امیر کے والد، ابو طالب کا مقر، ابو لہب کی طرح سقر بتاتے ہیں، یہ صورتِ حال دیکھکر ایک قاری حیران رہ جاتا ہے، اور اس کو حضرت امیر کے متعلق جامی کے دعوی خلوص کی صداقت میں ایک حد تک شک وشبہہ ہونے لگتا ہے،

میرزا قزوینی کے بیانات میں ایک حیرت انگیز تضاد پایا جاتا ہے، ایک طرف تو اُن کی رائے میں ایران میں جامی کی عدم مقبولیت کا سبب اُن کا مذہبی تعصب ہے، اور دوسری طرف وہ اس بات کی اُمید ظاہر کرتے ہیں کہ آقا علی اصغر حکمت کی مساعی سے جامی جو شاعر فحل فاضل دانشمند ہیں، اور حافظ کے بعد جنھیں خاتمہ شعراے بزرگ زبانِ فارسی سمجھنا چاہئے، اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں اگرچہ وہ اُن کے ہم مشرب نہیں ہیں، وہی قدر و منزلت دوبارہ حاصل کرین گے، جس کے وہ قرار واقعی مستحق ہیں، اور جس سے وہ صفویوں کے عہد میں تعصباتِ مذہبی و تبلیغاتِ تمدہی کی بنا پر محروم کر دیئے گئے تھے، اور آقاے حکمت کی بدولت اس ادبی بے انصافی اور ظلم کی تلافی کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا ہے، اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مرزا قزوینی مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کے حامی ہیں، وہ اور تعصب کی مذمت میں مولانا روم اور شیخ عطار کے اشعار بھی نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تذکرۃ الاولیاء کے اعتقادی مقدمین مظہر العجائب ور لسان الغیب جیسی جعلی کتابوں کی شہادت پر وہ عطار کو ایک غالی شیعہ ثابت کر چکے ہیں،

آقا حکمت جو خود وسیع المشرب ہیں اور جن کا مسلک اعتدال اور میانہ روی ہے، بجا طور پر فرماتے ہیں (ص ۱۵) کہ چونکہ جامی، متعصب رافض پر طعن و انتقاد کرتے تھے، اس لیے صفوی سلاطین کے یہان وہ مقبول نہ ہو سکے، تاہم شاہ اسمٰعیل اول کے زمانے میں جامی کی جلالت قدر کا انکار نہیں کیا جا سکا، شاہ اسمٰعیل کا بیٹا سام مرزا اپنے تذکرہ تحفہ سامی میں جامی کی تعریف اس عقیدتمندانہ انداز میں کرتا ہے،

"جامی از غایت علو فطرت و نہایت حدت احتیاج بتقریر حال و تبیین مقال ندارد چہ پرتو فضائل او از شرق تا باقصای غرب رسیدہ و خوان نوال افضالش از کران تا کران کشیدہ"

یہی سام مرزا اہل بیت کی محبت کے سلسلے میں جامی کے چند اشعار نقل کرتا ہے، جن میں سے دو ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں،

این نہ رفضست محض ایمانست	رسم معروف اہل عرفانست
رفض اگر ہست حبِ آل نبی	رفض فرضست بر ذکی و غبی

اگرچہ مرزا قزوینی کا پایہ بحیثیت محقق کے بہت بلند ہے، اور یورپ کے فضلا مثلاً براؤن، اور نکلسن ان کے خرمن علم کے خوشہ چین رہ چکے ہیں، تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ بعض اوقات اپنے مذہبی میلانات کی کارفرمائی کی بدولت وہ اپنے بلند مقام سے نیچے اتر کر ایک معدوم چیز کو حقیقی لباس میں جلوہ گر دیکھنے کے آرزومند ہیں، حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں حافظ کی طرف ایک غزل "اے دل غلام شاہ جہان باش و شاہ باش" اور ایک قصیدہ "مقتدری کز آثار صنع کرد اظہار" منسوب کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مندرجۂ بالا غزل اور قصیدہ الحاقی ہیں، اور دیوان حافظ کے قدیم مخطوطوں میں ان کا سراغ نہیں ملتا، دور حاضر میں عبد الرحیم خلخالی اور حسین پژمان

کے ایڈیشنوں میں جو قدیم ترین مخطوطوں پر مبنی ہیں، یہ درج نہیں، خود میرزا قزوینی نے ڈاکٹر قاسم غنی
کے ساتھ مل کر دیوان حافظ کا ایک صحیح اور خوبصورت ایڈیشن مرتب کیا ہے، اس میں بھی اُن کو خارج
کر دیا گیا ہے، تاہم مرزا قزوینی کی یہ دعا اور التجا ملاحظہ ہو کہ خدا کرے کہ یہ غزل اور قصیدہ خواجہ حافظ
کا ہو، تاکہ اس کی نجات اُخروی ہو سکے،

"باوجودیکہ این قصیدہ و این غزل از بہترین اشعار نیست مع ذالک برائے نجاتِ
اُخروی خواجہ باید آرزو کرد کہ ہر دو از خواجہ باشد و الحاقی از بعضے ہوا خواہان خواجہ در عصر صفویہ
برائے نجات دادن بقرہ او از تخریب متعصبین شیعہ نباشد" (بیست مقالہ جلد دوم صفحہ ۲۳)

اس ضمنی بحث سے اعراض کر کے ہم پھر شیخ عطار کے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں، پروفیسر
براؤن کی فرمائش پر میرزا قزوینی نے تذکرۃ الاولیا پر انتقادی مقدمہ لکھا تھا جس کی پروفیسر نکلسن نے
اپنے انگریزی دیباچہ میں بہت تعریف کی ہے، میرزا کی محققانہ شہرت کی بنا پر انگلستان میں براؤن نے
اور ہندوستان میں مولانا شبلی مرحوم نے اُن کے انتقادی مقدمہ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی اپنی
قابلِ قدر تصنیف تاریخ ادبیاتِ ایران، اور شعر العجم میں قزوینی کی تحقیقات کی صحت کو تسلیم کر لیا،
امتیاز قزوینی کی علمی فضیلت کے لئے شاہد عادل کا درجہ رکھتا ہے،

یہ شرف ہندوستانی محقق کے لئے مخصوص تھا کہ وہ علامہ قزوینی سے مرعوب ہوئے بغیر
شیخ عطار کی طرف منسوب کی ہوئی کتابوں کے جعل کا انکشاف کرے، اور اصل اور نقل کے درمیان
حد فاصل قائم کرنے میں کامیاب ہو، قزوینی کے دو بڑے ماخذ مظہر العجائب اور لسان الغیب تھے، اور
وہ ان کتابوں کی علمی و ادبی کم مائگی کی تاویل بڑھاپے کی افسردگی، اور اضمحلال میں ڈھونڈتے تھے،
جب تنقید شعر العجم کے دوران میں پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم نے عطار کے سوانح و حالات بیان
کرنے اور اُن کے کلام پر تبصرہ کرنے کے لئے قلم اٹھایا، تو اُن کی باریک بین نگاہوں نے اس طلسم اور سراب

کی حقیقت کو پہچان لیا اور اُن کی تحقیق پسند طبیعت علامہ قزوینی کے پیش کئے ہوئے عذر کو قبول کرنے پر راضی
نہ ہو سکی، ان کتابوں کی ادبی قدر و قیمت سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے، تو اُن کے مطالب کا مسئلہ بڑا اہم
اور وقیع ہے، عطار ایک صوفی کامل اور عارف محقق ہیں، اور اُن کی وسیع المشربی کسی قسم کی تنگ نظری
یا تنگ دلی کی متحمل نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تصانیف مثلاً مصیبت نامہ اور منطق الطیر وغیرہ میں
تعصب کی سخت مذمت کرتے ہیں، صحابۂ کرام کے لئے اُن کے دل میں بے حد احترام ہے، لیکن اس کے ساتھ
ساتھ اہل بیت کی محبت نے اُن کو گرویدہ بنا رکھا ہے، (ص ۱۰) یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کا اظہار انھوں نے
تذکرۃ الاولیا کے ابتدائی حصہ میں بھی کیا ہے، سب سے پہلے امام جعفر صادق کا ترجمہ دیا ہے، اور بعد میں امام
ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے حالات دیئے ہیں، یہ کتاب علامہ قزوینی کی تحقیق کی رو سے
۶۱۶ھ سے ذرا قبل لکھی گئی ہے، اور اس کے بعض حصے ۶۱۷ھ ہجری یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں، عطار کے
سنہ وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں کافی اختلاف ہے، لیکن اکثریت ۶۲۷ھ کے حق میں ہے
اب یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ عطار جیسا وسیع المشرب بزرگ عمر بھر تعصب کی مذمت کرنے کے بعد
خود اس کے دام میں گرفتار ہو کر اپنے تمام کارناموں کو نسیاً منسیا کر دے، یہ اسباب تھے جنھوں نے
شیرانی صاحب کے دل میں ان کتابوں کی اصلیت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر دیئے، اور اُن کو
اس میدان میں تحقیق و جستجو کرنے پر آمادہ کیا،

شیرانی صاحب کی تحقیق کے مطابق عطار کی مندرجہ ذیل کتابیں ہر قسم کے شک و شبہہ سے
پاک ہیں،

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) پند نامہ (۴) تذکرۃ الاولیاء (۵) خسرو نامہ (۶) دیوان (۷)
شرح القلب (۸) منطق الطیر (۹) مصیبت نامہ (۱۰) مختار نامہ،

جہاں شیرانی صاحب نے شعر العجم کے بعض بیانات کی تصحیح کی ہے، وہاں انھوں نے عطار کی اصلی

تصنیفات کی مدد سے عطار کے سوانح وحالات جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے، اور اُن کی شاعری پر مفصل اور سیر حاصل تبصرہ بھی کیا ہے، لیکن اس سلسلہ مین اُن کا بڑا تعمیری کام اُن کتابون کا جائزہ لینا ہے، جو غلط طور پر عطار کی طرف منسوب ہین، انھون نے کامل تحقیق کے بعد بتایا کہ اُن مین سے بعض کتابون کے حقیقی مالک دوسرے ہین، اور بعض ایسی ہین، جن کا مصنف کوئی جعلی عطار ہے، اول الذکر زمرے مین کنز الحقائق، اسرار الشہود، خیاط نامہ، کنز الاسرار اور وصلت نامہ ہین، کنز الحقائق کے مصنف پہلوان محمود بن پوریا ے ولی، اسرار الشہود کے شمس الدین محمد لاہجی اسیری شارح گلشن راز، خیاط نامہ کے خیاطی کاشانی، کنز الاسرار کے ترتبی اور وصلت نامہ کے شیخ بہلول ہین، مفتاح الفتوح علامہ قزوینی کی تحقیق کے مطابق کسی زنجانی کی تصنیف ہے، لیکن شیرانی صاحب کے نزدیک در حقیقت یہ ایک سرقہ ہے، اور صرف منظوم دیباچہ زنجانی کی محنت کا ثمرہ ہے، اور باقی سب غزلین عطار کی ہین، شیرانی صاحب کو تعجب ہے کہ یہ مقدس سرقہ ابھی تک طشت از بام نہین ہوا، منصور نامہ یا حلاج نامہ وصلت نامہ کی ایک حکایت ہے، اور بیسر نامہ کا اکثر مواد منصور نامہ سے لیا گیا ہے، یہ منصور نامہ کی مسخ شدہ شکل ہے، تنقید شعر العجم لکھتے وقت شیرانی صاحب کو لسان الغیب کا کوئی نسخہ نہ مل سکا، لیکن ان کے ادب نواز دوست پروفیسر سراج الدین آذر کے توسط سے مظہر العجائب کے ایک چھوڑ تین نسخے دستیاب ہوگئے، یون تو شیرانی صاحب نے جوہر الذات اور ہیلاج نامہ پر ایک ناقدانہ تبصرہ کیا ہے جس کا ذکر ہم آگے چلکر کرین گے، لیکن جس قابلیت، ژرف نگاہی اور جامعیت کے ساتھ انھون نے مظہر العجائب کے مصنف کے دجل و فریب کا پردہ چاک کیا ہے، وہ ہر قسم کی تحسین و آفرین کے سزاوار ہین، مظہر العجائب کے اشعار کی تعداد نو یا دس ہزار کے قریب ہوگی، یہ کتاب ذو بحرین ہے زیادہ تر حصہ بحر رمل مسدس مین لکھا گیا ہے، ایک ایسا حصہ بھی ہے، جس مین بحر ہزج مین داد سخنوری دی گئی ہے، عطار کی عادت کے برخلاف مظہر العجائب مین مصنف اپنے متعلق بہت سی باتین بتاتا ہے،

شیرانی صاحب نے ایک جامع اور محققانہ تبصرہ مین وہ تمام اسباب بیان کر دیئے ہین جن کی بنا پر وہ مظہر العجائب کو عطار کی تصنیف ماننے کے لئے تیار نہین، اُس کی زبان عطار کے حقیقی کلام سے کوئی نسبت نہین رکھتی، تاریخی لحاظ سے اس مین متعدد خامیان پائی جاتی ہین،

سب سے اہم مصنف کے مذہبی عقائد ہین، جو عطار کے عقائد سے بالکل مختلف ہین، ان اور دوسرے اسباب پر پورے استقصاء کے ساتھ بحث کرنے کے بعد شیرانی صاحب لکھتے ہین کہ اگر اب بھی اس جعلی عطار کے متعلق شبہہ ہو تو ذیل کے ابیات پر غور کر لیا جائے،

شعر حافظ خوان و با قاسم نشین، زانکہ ایشانند با ما قرین
بعد من اسرار ایشان گوش کن روز جنت عشق شان می نوش کن

اس پیشین گوئی کا ذکر کرنے کے بعد شیرانی صاحب لکھتے ہین کہ یہ کتاب نوین صدی ہجری کے نصف اول کے خاتمہ کے بعد کسی وقت لکھی گئی ہے، بلکہ مین دسوین قرن کے ربع اول مین اس کا زمانہ ماننے کے لئے آمادہ ہون"، غرض اُن کی رائے مین مظہر العجائب کا مصنف کوئی بہروپیا ہے جس نے خاص مقاصد کو مد نظر رکھ کر شیخ عطار کا سوانگ بھر لیا ہے، چونکہ اُس کے پاس نہ عطار کا دماغ ہے، نہ اُن کی طبیعت اور نہ علمیت، اس لئے یہ تمام اضمحلال ہے، اور اس لئے خیالات مین اس قدر ابتذال اور عبارت مین خامیان ہین جس کے پڑھنے سے طبیعت متنفر ہو جاتی ہے"،

جوہر الذات اور ہیلاج نامہ اگرچہ دو علاحدہ مثنویان ہین، شیرانی صاحب نے اتحاد مضامین کے پیش نظر ان دونون پر ایک ساتھ تبصرہ کیا ہے، اُن کے نزدیک "یہ مثنویان عطار کی دیگر تصنیفات مثلاً الٰہی نامہ، اسرار نامہ، منطق الطیر اور مصیبت نامہ کے ساتھ کوئی نسبت نہین رکھتین، فارسی ادبیات مین شاید اس قدر تھکا دینے والی غیر دلچسپ، کند اور دل اُچاٹ کر دینے والی کوئی کتاب نہ ہوگی جیسی یہ کتابین، حقیقت یہ ہے کہ باوجود کوشش بلیغ مین ان مثنویون کو پورا ختم نہ کر سکا،

اس (ان مثنویون کے مصنف) کو عربی آتی نہین، مجھکو اس کی فارسی دانی مین بھی شک ہی، ہمارا ناظم صرف الفاظ کو وزن کا جامہ پہنانا جانتا ہے، قافیہ کا بھی چندان پابند نہین، مل گیا، تو خیر، ملا تو وزن پر ہی گزارا کرلیا،،

جو صاحب اس اجمال کی تفصیل دیکھنا چاہین، انھین تنقید شعر العجم کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ انھین جوہر الذات اور ہیلاج نامہ کے مصنف کی بے بضاعتی اور شیرانی صاحب کے علمی تبحر کا اندازہ ہو سکے،

یہ ایک افسوسناک امر ہے، کہ اردو زبان مین علمی تحقیقات کا سرمایہ ہندوستان سے باہر ملکون مین محض اس وجہ سے خراج تحسین حاصل نہین کرسکتا کہ وہان اردو زبان سمجھی نہین جاتی، اور ہمارے علماء کی تحقیقات اجنبی فضلاء کی نظرون سے اوجھل رہتی ہین، اس سلسلہ مین مولانا شبلی خوش قسمت ہین کہ پروفیسر براؤن نے اپنے قابل ہندوستانی شاگردون کی اعانت سے شعر العجم سے استفادہ کیا، اُور مولانا شبلی کی قابلیت اور محنت کی دل کھول کر داد دی، فردوسی، انوری اور عطار پر جو فاضلانہ مقالے شیرانی صاحب نے لکھے ہین، اگر ان کا ترجمہ انگریزی یا فارسی زبان مین کیا جاتا، تو ایران و فرنگ کے علماء اس نامور محقق کے خرمنِ علم و تحقیق سے خوشہ چینی کرسکتے، اور ہندوستانی علماء کی بلند پایہ تحقیقات کی داد دے سکتے، یہ ایک عجیب حُسن اتفاق ہے کہ ۱۹۲۷ء مین رسالہ اردو کے صفحات پر علمی تحقیقات کی روشنی مین جن امور و نتائج کا اعلان شیرانی صاحب نے کیا، اس سے ملتی جلتی تحقیقات کا ماحصل آج سے چند سال پیشتر ایران کے فاضل پروفیسر آقا سعید نفیسی نے طہران سے شائع کیا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، جب آقائے نفیسی کی قابلِ قدر کتاب "جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری" میرے مطالعہ مین آئی، مین نے فرطِ مسرت مین اپنے مرحوم استاد کو یہ مُژدہ سُنایا، اور اُن کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً کتاب کا ایک نسخہ خدمت عالی مین بھجوا دیا، شیرانی صاحب کی دقتِ نظر سے کتاب کے بعض کمزور پہلو نہ بچ سکے، اور انھون نے اپنے ایک خط مین انکی طرف اشارہ کیا، میرا ارادہ ہے

کہ اس مضمون کے آخر مین شیرانی صاحب کے اس خط کا متعلقہ حصہ شائع کردون،

پیشتر اس کے کہ ہم آقائے نفیسی کی کتاب کا خلاصہ پیش کرین، ایران کے اس نامور فرزند کے علمی کارنامون کا ایک مختصر سا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے، اگرچہ فارسی زبان کے موجودہ شعراء کے حلقہ مین آقائے نفیسی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہین، تاہم اُن کی شہرت کا دارومدار زیادہ تر اُن کی علمی تحقیقات و تصانیف پر ہے، ایران کے نابینا شاعر رودکی کے احوال و اشعار پر اُن کی دو جلدون نے انھین علمی حلقون سے روشناس کرادیا، اسکی تیسری جلد جو انھون نے کئی سال کے بعد شائع کی ہے، بلا مبالغہ رودکی کے متعلق معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے، جس مین ان تمام مقالون کو فارسی زبان مین ترجمہ کے ذریعہ یکجا کردیا گیا ہے، جو اس شاعر کے سوانح و کلام پر دنیا کی مختلف زبانون مین لکھے گئے ہین، اور متعدد ذرائع سے خوشہ چینی کرکے رودکی کے کلام کو جمع کردیا گیا ہے، اس کتاب کے علاوہ آقائے نفیسی کئی تصانیف کے مالک ہین کئی کتابون کا ترجمہ کرچکے ہین، اور کئی کتابین بڑی محنت اور قابلیت سے ایڈٹ کرچکے ہین، چند ماہ پیشتر جب وہ ہندوستان کے علمی مرکزون کا دورہ کررہے تھے، تو انھون نے بمبئی کی مختلف انجمنون کی سرپرستی مین مختلف مضامین پر کئی فاضلانہ تقریرین کین، ہم اُن کے بڑے ممنون ہین کہ اپنی گوناگون مصروفیتون کے باوجود انھون نے ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا، اور اسماعیل یوسف کالج اندھیری کی مجمع الادب کے ارکان کے سامنے ہند و ایران کے علمی و ثقافتی روابط پر ایک پرمغز، اُور عالمانہ تقریر کی، اُن کی محنت اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُن کے اپنے بیان کے مطابق اُن کی کئی کتابین زیر طبع ہین، اور کئی تصانیف کے مسودے اُن کے پاس تیار ہین،

عطار کا دیوان شائع کرتے وقت اُس کے دیباچہ مین آقائے نفیسی نے عطار کے احوال و تصانیف پر ایک کتاب لکھنے کا وعدہ کیا تھا، عطار پر موجودہ کتاب گویا ایک ایفائے عہد ہے، انھین میدانِ تحقیق کی تنگی کی بجا طور پر شکایت ہے کیونکہ نوین صدی سے پہلے کے ماخذ دستیاب نہین اور اگرچہ فاضل پروفیسر

اپنی تحقیقات سے پوری طرح مطمئن نہین تاہم انھین امید ہے کہ اس راستہ مین جو قدم اُٹھایا گیا ہے وہ دوسرون کے لئے ایک حد تک ممد ہوگا،

دیباچہ مین انھون نے اپنے مخصوص ادبی انداز مین عالم کائنات کی ناپائداری اور تصوف کی اہمیت اور ہمہ گیری کا تذکرہ کیا ہے، اُن کے سامنے وہ تمام مقدمات ہین جو عطار کے سوانحِ حیات کے متعلق مستشرقین یا فضلائے ایران کے قلم کا نتیجہ ہین، اس کے علاوہ اُن کے زیرِ مطالعہ وہ تمام کتابین یا تذکرے ہین جن مین صوفیائے کرام کے حالات درج ہین، چونکہ اُن مین سے کوئی ایک بھی جامع اور کافی نہین، اور اُن کے تمام مطالب بھی صحیح اور درست نہین، اس لئے آقائے نفیسی نے کوشش کی ہے کہ وہ حتی المقدور عطار کے صحیح حالات قارئین کے سامنے پیش کرین،

شیخ عطار کا نام نسب اور خاندان، اُن کی تاریخ ولادت اور عمر کی مدت اُن کا زمانہ، اُن کے سوانحِ حیات اُن کی تاریخ وفات کی تعیین، اُن کا مزار کئی دوسرے عطار، عطار کا درجہ، اُن کے عقائد اور افکار، اُن کی تصانیف، نوین صدی کا ایک دوسرا عطار، آقائے نفیسی کی کتاب کے اہم موضوع ہین، آخر مین ایک تکملہ ہے، اور اس کے بعد کئی فہرستین ہین، اور غلط نامہ، ان مختلف موضوعون پر آقائے نفیسی نے تحقیق کا حق پوری طرح ادا کیا ہے، اور بہت سی غلط اور نادرست باتون کی تردید کی ہے، اس کی تفصیل آیندہ قسط مین پیش کی جائے گی،

(باقی)

مسلمانون کی حکومت مین

غیر مسلم اقوام

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف نومبر سنہ

ابو جعفر منصور عباسیون کے دوسرے خلیفہ کا زمانہ ہے، جند ساپور کی طبی درسگاہ کے پرنسپل جورجس کو منصور بغداد طلب کرتا ہے، اور یہ پہلا عیسائی طبیب ہے، جو عباسی دربار مین بلایا گیا ہے، منصور سے ملاقات ہوتی ہے، اُس کی باتون سے غیر معمولی طور پر منصور متأثر ہوتا ہے، اور حاجب ربیع کو حکم دیتا ہے کہ

"کسی ایسے محل کا انتخاب جورجس کے قیام کے لئے کرو جس مین اپنے خاندان کے خاص عزیزون کو مین اُتارتا ہون" (ج ۱ ص ۱۲۴ طبقات)

حکم کی تعمیل کی گئی، جورجس منصور کا علاج کرتا ہے، کامیاب ہوتا ہے، اگرمس کی عید مین جورجس خلیفہ سے ملنے آیا، مل کر جب رخصت ہونے لگا تو خلیفہ نے پوچھا تمھارے ساتھ کیا عورتین بھی ہین، جورجس نے نفی مین جواب دیا، منصور نے پوچھا کہ تمھاری خدمت کون کرتا ہے، جورجس نے کہا میرے تلامذہ اور شاگرد جو ساتھ آئے ہین، منصور نے کہا اپنی بیوی کو تم ساتھ کیون نہین لائے، جواب دیا کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے، سفر اُس کے لئے دشوار تھا، جورجس یہ باتین کر کے گھر چلا گیا، منصور نے اسی وقت حکم دیا کہ تین نوجوان

خوبصورت، رومی چھوکریاں جورجس کی قیامگاہ پر پہنچادی جائیں، ساتھ ہی تین ہزار اشرفیاں بھی بطور عیدی کے منصور نے بھیجیں، جب جورجس گرجا سے گھر واپس ہوا تو خلیفہ کے بھیجے ہوئے تحفوں کی خبر ملی، طبقات الاطباء میں ہے کہ لونڈیوں کا ذکر سن کر جورجس آپے سے باہر ہوگیا، اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم لوگوں نے اسی وقت اُن کو واپس کیوں نہیں کردیا اور حکم دیا کہ ابھی اُن کو دار الخلافت پہنچا دیا جائے لونڈیوں کی واپسی کی خبر منصور کو ملی، اسی وقت جورجس کو اُس نے طلب کیا، اور غصہ میں پوچھنے لگا کہ تم نے میرے تحفے کو رد کردیا؟ جواب میں کسی اضطراب اور پریشانی کے بغیر سکون کے ساتھ جورجس نے منصور سے کہا کہ

"جنابِ والا! ہم لوگ عیسائی ہیں، ہمارے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کسی مکان میں اُن کے ساتھ جمع ہوں"

آگے جورجس نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دینی مسلک کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"جنابِ والا! ہمارے مذہب میں ایک عورت سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے، جب تک وہ عورت زندہ رہے گی، ہم لوگ دوسری عورت سے عقد نہیں کرسکتے"

(ج ۱ ص ۱۲۵)

جورجس کی اس صاف بیانی سے منصور بہت متاثر ہوا، اسی سلسلہ کا ایک لطیفہ وہ بھی ہے کہ بغداد ہی میں جورجس بیمار پڑا، حالت روز بروز خراب ہوتی جارہی تھی، عمر بھی کافی تھی، منصور اسکی عیادت کے لئے پیدل چل کر اُس کے پاس پہنچا، جورجس سے حال پوچھا، رونے لگا اور رو رو کر عرض کرنے لگا کہ

"بڑی مہربانی سرکار کی ہوگی، اگر زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں مجھے اپنے بال بچوں میں پہنچا دیں، تاکہ ان کو ایک دفعہ تو دیکھ لوں اور میرا وقت ہی اگر آگیا ہے تو اپنے آباؤ اجداد کے ہڈاوڑ میں دفن ہونے کا موقع ملے گا،

منصور جورجس کے خدمات سے زیادہ متاثر تھا، اس وقت اُس سے نہ رہا گیا، کہنے لگا:۔

"جورجس! دیکھو تم مسلمان ہوجاؤ، میں جنت کی ضمانت تمہارے لئے لیتا ہوں"

یہ سننے کی بات ہے ایک مطلق العنان فرمان روا التجا کی شکل میں ایک بات پیش کرتا ہے جواب میں جورجس نے کہا،

"بندہ تو اپنے باپ داداؤں ہی کے دین پر مرنا چاہتا ہے، میرے آباؤ اجداد جہاں کہیں بھی ہیں وہیں میں بھی جانا چاہتا ہوں خواہ وہ جنت میں ہوں یا جہنم میں"،

کہتے ہیں کہ منصور بوڑھے جورجس کے اس جواب کو سن کر ہنسنے لگا، دس ہزار اشرفیاں سفر خرچ کے لئے منظور ہوئیں، جورجس اپنے بال بچوں میں پہنچا دیا گیا، (ج ۱ ص ۱۲۵)

میری غرض اس واقعہ کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ان غیر مسلم طبیبوں کے اثر و رسوخ کی یہ توجیہ قطعاً غلط ہوگی کہ زمانہ سازی سے کام لے کر انھوں نے کامیابی حاصل کی تھی، یہ صحیح ہے کہ ان میں سب کا حال وہی نہ تھا جس کا نمونہ جورجس کے استوار کردار میں آپ پارہے ہیں، ان میں جہاں جورجس جیسے لوگ تھے، وہیں یوحنا بن ماسویہ جیسے عیسائی بھی تھے، اُس نے مامون، معتصم، واثق، متوکل ان چاروں عباسی فرمانرواؤں کی طبی خدمت انجام دی تھی، ہارون الرشید نے اسی کو ان کتابوں کے تراجم کی نگرانی کا کام سپرد کیا تھا، جو ایشیائے کوچک کے مرکزی شہروں انقرہ اور عموریہ کے کتب خانوں میں ملی تھیں، کہنا یہ ہے کہ اسی یوحنا بن ماسویہ کے متعلق طبقات میں لکھا ہے کہ جورجس کے برخلاف علاوہ بیوی کے اپنے پاس چند لونڈیوں کو بھی اُس نے رکھ لیا تھا، بغداد کے عیسائیوں کی شماسیت کی نمائندگی بھی کرتا تھا، جو دین النصاریٰ کا ایک عہدہ ہے، عیسائیوں کو جب یوحنا کی اس حرکت کی خبر ملی، تو انھوں نے مجبور کیا کہ یا لونڈیوں سے تعلقات منقطع کرے، یا شماسیت کا عہدہ ترک کردے، کہتے ہیں کہ یوحنا کے سامنے جب یہ مطالبہ پیش ہوا، تو جھلا کر اُس نے کہا کہ ہمیں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ایک عورت سے

زیادہ عورت نہ رکھیں وہین یہ حکم بھی موجود ہے کہ ایک جوڑے سے زیادہ جوڑے نہ رکھیں، پھر مین تو صرف شماس ہون، ہم سے زیادہ اہم دینی عہدہ آج جس کے ہاتھ مین ہے یعنی بغداد کا جو جاثلیق ہے، گالیان دیتے ہوئے اُس نے کہا وہ بجائے ایک کے بیس بیس جوڑے کپڑون کے کیون رکھتا ہے، یہ بھی بولا کہ

"بدبخت یوحنا تو چار عورتون کے رکھنے کی وجہ سے اس کا مستحق ہو گیا ہے کہ شماسیت کے عہدے سے دست بردار ہو جائے تو پھر اپنے جاثلیق کو تم لوگ کیون نہین کہتے کہ اپنے دین کے احکام کی پابندی کرے، اگر اُس کے لئے کپڑون مین خلاف ورزی دین کی جائز ہے تو عورتون کے معاملہ مین ہماری خلاف ورزی بھی قابلِ برداشت ہونی چاہیئے،

(طبقات الاطبا رص ۱۷۷)

اسی کتاب مین ایک لطیفہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہی یوحنا ایک دفعہ بیمار ہوا، مرض بڑھتے ہوئے مایوسی کی حد تک پہنچ گیا، عیسائیون کے دستور کے مطابق چند پادری بلائے گئے، اس کے بالین علالت کے نزدیک انگیٹھی میں لوبان جلا کر دعاؤن مین مشغول ہو گئے، یوحنا نے آنکھ کھولی، تو اپنے سرہانے اس تماشے کو دیکھ کر بولا،

"اے بدکارون کے بچے، ! میرے گھر مین یہ کیا کر رہے ہو،

پادریون نے کہا کہ خدا تم پر فضل فرمائے، اس کی دعا ہم لوگ کر رہے ہین، سننے کے ساتھ بیساختہ یوحنا کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگے،

"ابتدائے قیامت تک سارے جہان مین جتنے عیسائی پیدا ہون گے، یا پیدا ہو چکے ہین مل کر بھی دعا کرین، تو اُن کی دعا سے سچ کہتا ہون گلاب کی ایک ٹکیہ زیادہ کارگر اور مفید ہے،[1] (بقیہ)

---

[1] قرص ورد کا لفظ اصل عبارت مین ہے غالباً گلاب کی پتیون کو دوسری دواؤن کے ساتھ ملا کر قرص بنایا جاتا تھا،

کچھ بھی ہو، مجھے دوسرون سے اس وقت بحث نہین ہو، مگر مسلمان حکمرانون کے متعلق یہ کہہ سکتا ہون کہ کمال کی قدر افزائیون مین صاحبِ کمال کے دینی رجحانات اور مذہبی رویّہ کی خصوصیتون کو انھون نے کبھی نہین دیکھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ جورجس جیسے کٹر عیسائی اور یوحنا جیسے رند مشرب لاأبالی آدمی، دونون کی حیثیت عباسی دربار مین برابر تھی، جورجس کے ساتھ ابوجعفر منصور جیسے جز رس، بلکہ شاید بخیل آدمی کی طرف سے فیاضیون کے تھوڑے بہت قصے تو آپ سُن چکے، اب سنیئے یوحنا کا حال، یہ تو بیان ہی کر چکا ہون کہ ہارون کے زمانہ مین یونانی کتابون کے تراجم کا وہ نگران تھا، اور بعد کو مامون سے متوکل تک مسلسل عباسی خلفا کا وہ شاہی طبیب رہا،

عیسیٰ بن ماسویہ طبیب جو غالباً یوحنا کا شاگرد بھی تھا، اسی سے اپنے مرنے سے تین سال پہلے اُس نے بیان کیا تھا کہ اب تک طبابت کے ذریعہ سے ایک ملین یعنی دس لاکھ درم مین کما چکا ہون، واثق باللہ خلیفہ ایک معمولی بات پر یوحنا سے خوش ہوا، اور حکم دیا کہ ایک لاکھ درم اسی وقت اُس کے پاس بھیجے جائین، تھوڑی ہی دیر بعد دریافت سے واثق کو معلوم ہوا کہ یہ رقم اب تک یوحنا کے گھر نہین پہنچی ہے حکم دیا کہ بجائے ایک لاکھ درم کے دو لاکھ بھیجے جائین، یہ حکم عصر کے وقت دیا گیا تھا، مگر کسی وجہ سے تعمیل حکم کی عشا کے وقت تک نہ ہو سکی، واثق کو جب معلوم ہوا کہ رقم اب بھی نہین بھیجی گئی ہے، تو بجائے دو لاکھ کے انعام کی رقم تین لاکھ کر دی گئی، واثق کا خادمِ خاص جسے حکم دیا گیا تھا، خلیفہ کے اس رجحان کو پا کر مہتمم خزانہ کے پاس پہونچا، اور کہنے لگا کہ بھائی روپیے فوراً یوحنا کے پاس روانہ کرو، ورنہ اندیشہ ہے کہ واثق آج پورے خزانہ کو یوحنا پر نثار کر دے گا، (ص ۵، اطبقات ج ۱)

اسی یوحنا بن ماسویہ کا دلچسپ لطیفہ طبقات مین نقل کیا ہے کہ متوکل خلیفہ ایک دن دجلہ مین تخت بند ہو کر مچھلی کا شکار کر رہا تھا، یوحنا اُس کے داہنے جانب بیٹھا تھا، اتفاق سے دیر تک کوئی مچھلی نہ لگی، متوکل نے یوحنا کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تو ہی منحوس آدمی ہے کہ آج شکار نہین ہو رہا ہے، تصة

سننے کا اسی کے بعد ہے لکھا ہو کہ یوحنا نے متوکل کے اس فقرے کو سن کر کہا کہ

"جناب والا! بندہ تو کسی معنی میں بھی منحوس نہیں ہو سکتا، میرا باپ ماسویہ خوزستان کا
کا ایک معمولی آدمی تھا، اور ماں میری سسلی کی ایک لونڈی تھی، جو آٹھ سو درم میں خریدی گئی
تھی، پھر میرے اقبال کا دور آیا، اور آج میں خلفاء کا ندیم و انیس بنا ہوا ہون، دنیا مجھ پر رشک
کر رہی ہے، بھلا ایسا آدمی کہیں منحوس ٹھہرائے جانے کے قابل ہو سکتا ہے"

اس کے بعد اس نے کہا کہ اگر امیر المومنین کی اجازت ہو تو میں اس شخص کو بتا سکتا ہون جو واقعی
منحوس ہے، متوکل نے کہا کہ بتاؤ کون ہے؟ یوحنا نے جواب دیا کہ

"منحوس آدمی وہ ہے، جو چار پشتون سے یکے بعد دیگرے خلفاء کی نسل میں منتقل ہوتا ہوا
دنیا میں پیدا ہوا، اور پھر خود بھی خلیفہ بن گیا، مگر (تقدیر کی خوبی دیکھئے) کہ وہی اپنے شاہانہ
جاہ و جلال کو ایوان و محلات کو چھوڑ کر دجلہ کے کنارے میں ہاتھ کی ایک چوکی پر بیٹھا ہے، آج
دنیا کی مفلس ترین قوم مچھیرون کی شکل اختیار کی ہے" (ص ۱۷۰)

آپ سمجھ رہے ہین کہ منحوس ہونے کا طنز کون کس پر، یا یہ طنز ایک عیسائی طبیب کر رہا ہے، آج
بقول اسی کے جو سسلی کی ایک لونڈی کا بچہ ہے، اور جس پر طنز کر رہا ہے یہ مبالغہ نہین ہے کہ مشرق ہی کا نہین
بلکہ شاید اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقتور حکومت کا بادشاہ اور حکمران ہے، لیکن اس کے کمال نے
خلیفہ کے دل میں ایسی جگہ اس کے لئے بنا دی تھی کہ بے تکلفی میں وہ اس حد تک پہنچ جاتا تھا،

اور ابن ابی اصیبعہ نے طیفوری خاندان کے ایک عیسائی طبیب کا ایک طویل قصہ نقل کرتے ہوئے
جو یہ لکھا ہے کہ طیفوری اور عباسی دربار کے ایک امیر ابو غانم کے درمیان گفتگو میں نوبت یہان تک پہونچی
کہ امیر نے طیفوری کو ایک فحش گالی دی، جواب میں طیفوری نے بھی اسی گالی کو امیر کی طرف منسوب کر کے
دہرا دیا، امیر جو بیمار تھا، اس نے غصہ میں کہا کہ تیری جسارت اس حد تک پہنچ گئی، طیفوری نے امیر کے

اس سوال کے جواب میں جو بات کہی تھی، وہی سننے کے قابل ہے، اس نے کہا کہ

"تم نے کیا ذکر ہے، خلیفہ ہادی کی خدمت میں جب رہتا تھا، تو ایک دفعہ نہیں
بلکہ اس نے [illegible] کہ

لقد کان یقذفنی فاردعلیہ مثلہ — مجھے جب کبھی گالی اونھون نے دی ہے
قولہ، — ٹھیک اسی گالی کو ان پر واپس کر دیا
کرتا تھا، (ج ا ص ۱۵)

بجائے خود یہ گفتگو، یا جھگڑا بازی کی یہ شکل جتنی بھی بیہودہ اور مستحق نفرت و ملامت ہو اسلام
ہی کیا، عام انسانی تہذیب کے لئے بھی یہ صورت حال حد سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اور روایت اگر
صحیح ہے، تو وہ [illegible] کمزوریون کے ساتھ سلاطین و ملوک کی مجلسون کی ایک ناقابل عفو کمزوری
اس کو شمار کرنا چاہئے

مگر میں یہ کہنا چاہتا ہون کہ مسلمانون کے عہد حکومت کی غیر مسلم رعایا جن کا اصطلاحی نام "ذمی" ہے
ذمی کے اس لفظ کو بدنام و رسوا کرنے کی کوشش جو کی گئی ہے، اور ایسے معیوب تصورات کو اس کے ساتھ
وابستہ کر دیا گیا ہے کہ شاید خود مسلمانون کو بھی اس لفظ کے استعمال میں گونہ شرمندگی سی محسوس ہونے
لگی ہے، حالانکہ اس لفظ ہی میں کوئی بات ایسی نہین جو مسلمانون کے لئے باعث ندامت ہو، اردو میں بھی
ذمہ کا عربی لفظ مستعمل ہے، مسلمانون کی حکومت غیر مسلم اقوام کے جن لوگون کی عزت جان و مال کی حفاظت
کی ذمہ داری اپنے سر لیتی ہے، ذمہ کے لفظ کے ساتھ نسبت کی "ی" کا اضافہ کرکے ذمی کا لفظ بنالیا گیا ہے
اور رعایا کے اس طبقہ کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے، پھر آپ ہی بتایئے کہ اس میں مسلمانون کے لئے شرمانے
کی کیا بات ہو جاتی جو سلوک غیر مسلم اقوام کے اس طبقہ کے ساتھ مسلمانون کی حکومت کرتی تھی، مجھے اس
سے انکار نہین ہے، کہ "حاکم و محکوم" میں قدرۃً مراتب کا جو فرق پیدا ہو جاتا ہے، چاہا جاتا یا نہ چاہا جا

مگر اس فرق کا پیدا ہو جانا ایک طبعی بات تھی، مگر یہ فرق بھی عام حالات مین جہان تک مین جانتا ہون، اس سے زیادہ نہ تھا، جو ایک ہی خاندان کے بڑے اور چھوٹے بھائیون مین پایا جاتا ہے، بعض لوگون نے قرآن کے لفظ صاغرین کا یہی مطلب بیان بھی کیا ہے کہ مسلمان جن کو حاکم ہونے کی وجہ سے کبیر یا بڑے بھائی ہونے کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، اُن کے مقابلہ مین رعایا غیر مسلم طبقہ صغیر یا چھوٹے بھائی ہونے کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے، اسی صغیر کی جمع صاغرین ہے، غیر موقع اس مسئلہ کے بسط و تفصیل کا نہین ہے، یہان مین کہنا چاہتا ہون کہ ذمیون کی اس عام قانونی حیثیت کے برخلاف مسلمانون کی تاریخ مین کوئی ایسا واقعہ مل جاتا ہے جس کی ذمہ داری زیادہ سے زیادہ مسلمانون کی کسی شخصی اور انفرادی ہستی کے سر عائد ہوتی ہے غصہ مین کسی مسلمان حکمران یا امیر کی طرف سے غیر مسلم رعایا کے کسی فرد کے ساتھ ظلم و زیادتی کی صورت غیظ و غضب وغیرہ جذبات کے وقتی تاثر کے تحت اتفاقاً پیش آگئی ہے، اور غیر مسلمون سے زیادہ خود مسلمانون کے ساتھ بھی آئے دن پیش آتی رہتی تھی، مگر غیر مسلم رعایا کے اس جزئی واقعہ کو کُلّی قالب کا دستور عطا کر کے آسمانون کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے،

مین یہی پوچھنا چاہتا ہون کہ تاریخی اقاصیص و حکایات سے نتائج اگر نکالے جاتے ہین، تو کیا انصاف کا تقاضا یہ نہ تھا کہ ناگوار حوادث و واقعات کے ساتھ ان قصون کا بھی تو ذکر کرنا چاہیئے تھا، جس کی ایک نظیر طیفوری خاندان کے اس ذمی طبیب کی مذکورہ بالا روایت ہے،

لوگ کہتے ہین کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ انبساطی اور بے تکلفی کے تعلقات کی ابتدا ہندوستان کے بعض مغل بادشاہون کی طرف سے اس وقت ہوئی جب ہنسی مذاق کے رشتے غیر مسلم قومون کے ساتھ ان بادشاہون نے قائم کئے، مگر آپ کے سامنے اس زمانہ کی یہ تاریخی شہادت پیش کر رہا ہون، جب سنہ ہجری کی دوسری صدی بھی ابھی ختم نہین ہوئی تھی، یہ الہادی عباسیون کا خلیفہ جس کا نام موسیٰ تھا اور ہارون الرشید کا بڑا بھائی تھا، ہارون سے پہلے مسند خلافت پر متمکن ہوا تھا، اس کی وفات

سنہ ۱۷۰ ہجری مین ہوئی ہے، طیفوری نے اسی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اُن کی گالیون کے جواب مین ان ہی گالیون کو ہادی کی طرف منسوب کر کے دہرا دیا کرتا تھا، جیسا کہ مین نے عرض کیا، مجلسی آداب کے لحاظ سے یہ جتنی بھی گندہ اور گھنونی بات ہو مگر ہندوستان کے مغل بادشاہ نے ہنسی مذاق کا رشتہ قائم کر کے ذمی رعایا پر اگر کوئی احسان کیا تھا، تو آپ دیکھ رہے ہین کہ تقریباً ہزار سال پہلے مسلمانون کی تاریخ مین اس احسان کی نظیر قائم ہو چکی تھی، اور رشتہ داری کے ان تعلقات کے بغیر قائم ہو چکی تھی، جن کی رسم ڈالنے والے نے اسلام ہی کے معاشرتی قوانین اور حدود کی پروا کی، اور میرا خیال تو یہ ہے کہ اپنی رعایا کی عزت و ناموس کی حفاظت کی ذمہ داری جو اس پر مذہب و اخلاق کی طرف سے عائد ہوتی تھی، اس سے بھی وہ صحیح معنون مین عہدہ برآ نہ ہوا،

آپ دیکھ رہے ہین جو قصہ سنایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ ہی نہین بلکہ خلیفہ کے دربار کے امیر بھی رعایا کے ذمی طبقہ سے اس قسم کی باتون کو برداشت کرنے کے عادی ہو چکے تھے، بلکہ ملوک اور سلاطین کے متعلق شیخ سعدی کا مشہور مثالی فقرہ یعنی گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند" اس کے پہلے جز کی مثالین مسلمان حکمرانون کی تاریخ مین ملتی ہون، یا نہ ملتی ہون لیکن دوسرا جز یعنی گاہے بدشنامے خلعت دہند" کی عملی مثال ان ہی عباسی خلفار کی زندگی مین نظر آتی ہے، اُم ان ہی ذمی طبیبون کے متعلق نظر آئی ہے، اسی طیفوری خاندان کا ایک طبیب اسرائیل بن زکریا بھی تھا، خلیفہ متوکل کے وزیر اعظم فتح بن خاقان کا طبیب خاص تھا، لکھا ہے کہ تنخواہ اور انعام کی شکل مین وزیر اعظم لاکھون لاکھ روپے کا سلوک اسرائیل کے ساتھ کیا کرتا تھا، وزیر کے اشارے سے شاہی دربار مین بھی اسرائیل کی آمد و رفت شروع ہوئی، متوکل بھی اس کا حد سے زیادہ معتقد ہو گیا تھا، اسرائیل بیمار پڑتا، تو بہ نفس نفیس اسکی عیادت کے لئے خود اس کے گھر جاتا،

طبقات ہی مین ہے کہ ایک دفعہ تو یہ صورت بھی پیش آئی کہ اسرائیل مرض کے شدید حملہ کی وجہ

سے متوکل کے سامنے بیہوش ہو گیا، اس وقت دیکھا گیا کہ اپنے اس ذمی طبیب کے سر کے نیچے بطور
تکیہ کے متوکل اپنے ہاتھ کو ڈالے بیٹھا ہے، اور اپنے وزیر فتح بن خاقان سے اپنے قلبی تعلق کا جو اس
ذمی طبیب سے اسے ہو گیا تھا، اس کا اظہار ان الفاظ میں کر رہا تھا،

"اگر اسرائیل مر گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا، میری جان اب اسکی جان کے ساتھ
لٹک کر رہ گئی ہے" (ج ا ص ۱۵۰)

لکھا یہ ہے کہ متوکل نے ایک دفعہ اسرائیل سے مشورہ لئے بغیر پچھنا لے لیا، اسرائیل جب آیا،
اور اس واقعہ کی خبر اسے ملی تو بیان کیا ہے کہ غصہ سے بھر گیا، اور اس وقت تک غصہ میں تمتماتا رہا
جب تک کہ متوکل نے اپنے قصور کی معافی چاہتے ہوئے تین ہزار اشرفیوں کے ساتھ ایک مسلم گاؤں
کا وثیقہ اپنے دستخط کرکے اسرائیل کے آگے پیش نہ کیا، لکھا ہے کہ گاؤں جو قصور کی معافی کے سلسلہ میں
اس ذمی طبیب کی جاگیر میں خلیفہ نے دیا تھا، اس کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار روپیہ تھی، (طبقات
ج ا ص ۱۵۰)

لوگ پڑھتے نہیں ہیں یا پڑھتے ہیں تو سوچتے نہیں، ورنہ ذمی رعایا کے ان طبیبوں کی شان و
شوکت، ثروت و دولت کے قصے کیا کوئی چھپی ڈھکی بات تھی، اسی طیفوری خاندان کے طبیب
اسرائیل بن زکریا کے حال میں ابن ابی اصیبعہ نے بعض تاریخی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے
لکھا ہے کہ

"جب اسرائیل سے متوکل مانوس ہو گیا، تو اسرائیل ترقی کرتے ہوئے اس درجہ تک
پہنچ گیا کہ جس وقت اسرائیل اپنے گھر سے نکلتا تھا تو اس کی سواری بغداد کے بازاروں
میں اسی شان سے نکلتی تھی جس شان سے بڑے بڑے نامور، اور فوج کے ممتاز ترین افسر اور
سپہ سالار نکلا کرتے تھے،

آگے بیان کیا ہے کہ

"اسرائیل کے موکب کا حال یہ تھا کہ آگے آگے ہاتھوں میں کوڑے، اور تازیانے لئے ہوئے
سوار اور پیادے ہوتے"

بغداد کے بعد جیسا کہ معلوم ہے، عباسیوں نے اپنا دوسرا دار الخلافہ سر من رائے کو قرار دیا تھا
جسے آج کل لوگ سامرہ کہتے ہیں، اسرائیل کے لئے متوکل نے جب چاہا کہ سر من رائے میں اسے محل
کے لئے کسی زمین کا انتخاب کرے، تو اپنے شاہی اسٹاف کے دو اہم ارکان عقلات اور ابن نجبری
کو حکم دیا کہ اسرائیل کے ساتھ سر من رائے کا دورہ کریں، اور جو جگہ پسند آجائے خواہ وہ کہیں ہو اسی
کو اسرائیل کے لئے مختص کر دیں، اسرائیل نے جس جگہ کو پسند کیا، فوراً ان دونوں نے اس پر ستون قائم
کر دیا، اور تین لاکھ درم تعمیر مکان کے لئے اسی وقت اسرائیل کے سپرد کر دیئے (ص)

اب میں کیا عرض کروں، کہنے والے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی غیر مسلم ذمی رعایا، اسیر اور غلامی
کی زندگی بسر کرتی تھی، دیکھ رہے ہیں آپ غلاموں کے ٹھاٹھ باٹھ کو، اور اسرائیل کی کیا کوئی
استثنائی نظیر ہے، اس وقت تک میں نے بعض اطباء کے جو حالات بیان کئے ہیں، کیا یہ غلاموں کے
حالات ہوتے ہیں، اسی کتاب طبقات الاطباء میں چوتھی صدی ہجری کے ایک عیسائی طبیب جس
کا نام ابوالخیر الحسن بن سوار بن بابا بن بہنام تھا، اور عام طور پر ابن الخمار کے نام سے مشہور تھا، ابن
ابی اصیبعہ اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ

کان هذا ابو الخیر الحسن نصرانیا (ج ا ص ۳۲۲) یہ ابوالخیر حسن عیسائی تھا،

آگے اس کے علم و فضل کی تعریف کرتے ہوئے اور یہ لکھتے ہوئے کہ سریانی زبان سے اس نے
بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں، یہ بیان کیا ہے کہ

فاذا دعاه السلطان رکب الیه جب اس کو بادشاہ (محمود شاہ سلجوقی)

فی زی الملوك والعظماء، حتی انه ربما حجبه فی هذه الحال ثلثمائة غلام ترکی بالخیول الجیاد والهیئة البهیة (ج ۱ ص ۳۲۲)

نکلتا تھا، تو ملوک اور امراء کے لباس میں نکلتا، بسا اوقات دیکھا گیا کہ اس کی سواری میں تین سو ترکی غلام بہترین گھوڑوں پر بہترین لباس میں سوار آگے پیچھے سے اسے گھیرے ہوئے ہیں،

یہ ہیں مسلمانوں کی حکومت کے ذمی جن کی غلامی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے، تین تین سو غلاموں کے جھرمٹ میں جن ذمیوں کی سواریاں مسلمانوں کے شہروں میں نکلا کرتی تھیں آج باور کرایا جا رہا ہے کہ وہی غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے، بھلا جن کے غلام بھی بہترین ترکی گھوڑوں پر پرتکلف لباس میں باہر نکلتے تھے، ان ہی ذمیوں کے متعلق غلامی کے تصور کی بھی گنجائش ہے،

اور مسلمانوں کی تاریخ کی کیا یہ کوئی استثنائی مثالیں ہیں، جو کچھ آپ سن چکے ہیں، استثنا و شذوذ کے دعوی کی تردید کے لئے وہی کافی ہیں، مگر میں تو اس سے بھی آگے بڑھنا چاہتا ہوں، دیکھئے یہ عباسیوں کا خلیفہ ہارون الرشید ہے، روے زمین کا اپنے عہد میں سب سے بڑا طاقتور حکمران اگر اسے نہ مانا جائے تو اتنی بات بہرحال تسلیم کرنی پڑے گی کہ اپنے محروسہ کا وہ مطلق العنان فرمانروا ضرور تھا، سنیئے تاریخ کی شہادت

جبرئیل بن بختیشوع اس کے دربار کا مشہور عیسائی طبیب ہے، طبقات الاطباء میں ہے کہ رفتہ رفتہ ہارون الرشید نے اسی ذمی کے متعلق یہ اعلان کر رکھا تھا کہ

کل من کانت له الی حاجة فلیخاطب بها جبریل لانی افعل کل ما یسألنی فیه ویطلبه منی، (ص ۱۲۰ ج ۱ الطبقات)

جس کسی کی مجھ سے کوئی ضرورت ہو چاہئے کہ اپنی اس ضرورت میں وہ جبرئیل سے خطاب کرے کیونکہ میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جبرئیل مجھ سے جو کچھ بھی چاہے گا، اور مانگے گا، میں

لیجئے، اب تک تو آپ نے مسلمانوں کی ذمی رعایا کو اپنے غلاموں کے درمیان ان کے شہروں میں نکلتے دیکھا تھا لیکن ہارون الرشید کے اس شاہی فرمان نے جبرئیل کو اقتدار و اختیار کے کس مقام تک پہنچا دیا، ابن ابی اصیبعہ کی اسی روایت کے آخر میں ہے کہ

فکان القواد یقصدونه فی کل امورهم،

(ہارونی فوج) کے سپہ سالار جبرئیل ہی کی طرف اپنے سارے معاملات میں رجوع

بڑے بڑے مسلمان سپہ سالار اور فوجی افسر بھی اسی "ذمی جبرئیل" کے دست نگر ہو گئے تھے، "قواد" یعنی فوجی افسروں کا ذکر تو مثالاً کیا گیا ہے، ورنہ ہارون نے جب طے ہی کر دیا تھا کہ جبرئیل کے توسط کے بغیر میں کسی کی کچھ سنوں ہی گا نہیں، اور جو کچھ جبرئیل کا فیصلہ ہو گا، اسی کو نافذ کروں گا، تو مسلمانوں کے بڑے ہوں یا چھوٹے ایسا کون ان میں باقی رہا ہو گا، جسے جبرئیل کی ڈیوڑھی کی حاضری پر مجبور نہ ہونا پڑا ہو گا،

اور ممالک محروسہ عباسیہ کے مسلمانوں کی یہ دست نگری کیا ہارونی عہد تک محدود رہی، سنیئے تاریخ کی شہادت اسی کتاب میں ہے کہ مامون الرشید جب امین اپنے بھائی کو شکست دینے کے بعد خلافت عباسی کا وارث ہوا، تو ابتدا میں جبرئیل اور مامون کے تعلقات مختلف شبہات کی وجہ سے کچھ اچھے نہ تھے لیکن غلط فہمیوں کا جب ازالہ ہو گیا، تو ابن ابی اصیبعہ کے الفاظ میں

اکرمه زیادة علی ما کان ابوه یکرمه،

جبرئیل کی عزت مامون نے اپنے باپ کے زمانہ سے بھی زیادہ بڑھا دی،

لکھا ہے کہ اس کے بعد تو مامونی عہد میں یہ دستور ہی نافذ ہو گیا کہ

کل من تقلد عملاً لا یخرج الی عمله الا بعد ان یلقی جبرئیل

جس کسی کا تقرر بارگاہ خلافت سے ہوتا تھا، وہ اپنے عہدہ کا جائزہ اس وقت تک نہیں لے سکتا تھا جب تک جبرئیل سے م

گویا سارے تقررات جبرئیل ہی کے اشارۂ چشم و ابرو کے رہین منت تھے،

جنھون نے مسلمانون کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہین کہ عباسیون کے عروج و اقبال کا نقطۂ کمال ہارونی و مامونی عہد ہے، دوسرے لفظون مین مذکورۂ بالا شہادتون کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہوا کہ عباسیون کے شاداب ترین عہد مین مسلمانون کی حکومت کی باگ، ان کی حکومت کے ایک ذمی رعیت ہی کے ہاتھ مین تھی، سیاہ و سفید کا مالک ایک حیثیت سے گویا وہی تھا، بلکہ سچ یہ ہے کہ دیالمہ کے زیر اقتدار آجانے سے پہلے جبرئیل بن بختیشوع[ل] کا عباسی خلافت پر غیر معمولی اقتدار مسلسل قائم رہا، طبقات کی اسی روایت مین ہے کہ مامون الرشید جبرئیل سے اس حد تک متاثر تھا کہ

کان عند المامون مثل ابیہ،	مامون کے پاس جبرئیل کی حیثیت گویا مامون کے باپ کی سی ہوگئی تھی،

یہ جبرئیل ہی کی خصوصیت تھی کہ سارے امراء و وزراء کے مقابلہ مین اس کو بجائے نام کے مامون اس کی کنیت ابو عیسٰی کے ساتھ مخاطب کرتا تھا، عربی دستور اور عباسیون کے دربار کے رسم و رواج سے جو واقف ہین، وہ سمجھ سکتے ہین کہ کنیت کے ساتھ خلیفہ کی طرف سے خطاب کوئی معمولی بات نہ تھی، شاید سر اور لارڈ کے الفاظ مین بھی وہ زور اور قوت نہین ہے جو کنیت کے ساتھ خطاب مین پایا جاتا تھا،

(باقی)

[ل] جندسابور کا صدر مارستان جورجس جو ابوجعفر منصور کے زمانہ مین بغداد جیسا کہ گذر چکا بلایا گیا تھا، اسی کا بیٹا بخت یشوع تھا، لکھا ہے کہ بخت یشوع کے معنی عبد المسیح ہین، بخت کا ترجمہ عبد اور یشوع عیسٰی علیہ السلام کے نام کا ایک تلفظ ہے، مسلسل نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان نے عباسی حکومت مین جاہ و جلال کی زندگی بسر کی،

خدمتِ حدیث مین خواتین کا حصہ

از مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی

(۲)

(بسلسلہ نومبر سنہ ۵۰ء)

چوتھی صدی مین بھی متعدد خواتین نے حدیث کی روایت و سماع مین حصہ لیا، مثلاً اُم عیسٰی بنت ابراہیم، خطیب نے اُن کے بارے مین لکھا ہے کہ بڑی عالمہ و فاضلہ تھین، لوگ اُن سے مسائل پوچھنے کے لئے آتے تھے، اور وہ بے تکلف فتوے دیتی تھین، ۳۲۸ھ مین وفات پائی،

اُمّ ِسلمہ فاطمہ بنت ابی بکر، مشہور محدث ابوداؤد سجستانی کی پوتی تھین، اپنے والد سے روایت کرتی ہین، اُن سے روایت کرنے والون مین متعدد علما شامل ہین،

اس وقت روایتِ حدیث کے دو طریقے رائج تھے، بعض محدثین تحریری طور پر املا کراتے تھے، یعنی جتنی روایتین انھین اپنے شاگردون سے روایت کرنا ہوتی تھین، وہ اُن کو لکھ کر لیجاتے تھے، اور بعض غیر معمولی حافظہ کے لوگ، زبانی املا کراتے تھے، اُم سلمہ اسی دوسرے گروہ مین تھین، خطیب نے لکھا ہے کہ مین نے ابوالقاسم عبدالواحد جو اُم سلمہ کے شاگرد ہین اُنکی کتاب مین جو خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، دیکھا ہے کہ انھون نے جہان اُم سلمہ سے روایت کی ہے، وہان یہ عبارت درج ہے،

املاءً من حفظها في منزل ابي اسحاق المزكي ۳۶۲ھ۔	۳۶۲ھ مین ابواسحاق مزکی کے گھر مین انھون نے اپنے حفظ سے یہ روایتین املا کرائین،

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر کے علاوہ دوسرونکے گھرونین بھی لوگون کو حدیثین قلمبند کراتی تھین، پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کے خیال سے خواتین کی مجلس درس زنانخانہ ہی مین ہوتی تھی، اس وقت کے عام دستور کے مطابق وہ مساجد یا خانقاہ کو اپنی درس گاہ نہین بناتی تھین،

امۃ الواحد قاضی محاملی کی صاحبزادی تھین، اپنے والد اور دوسرے بزرگون سے روایت کرتی ہین، ابوبکر البرقانی فرماتے ہین کہ یہ ابو علی بن ابی ہریرہ کے ساتھ ساتھ فتویٰ دیتی تھین، دارقطنی کا بیان ہے کہ انھون نے اپنے والد اسماعیل بن عباس، عبد الغافر ابو الحسن مصری وغیرہ سے روایت کی ہے، قرآن کی حافظ تھین، فقہ شافعی مین بھی ان کو درک تھا، فرائض، حساب، نحو وغیرہ سے بھی واقف تھین، خطیب نے لکھا ہے :-

وکانت فاضلۃ فی نفسہا……	یہ بڑی فاضلہ تھین، مین نے اُن سے روایت
وکتبت عنہا الحدیث	کی ہے، اور تحریری طور پر بھی اُن سے احادیث نقل کی ہین،

۳۷۷ھ مین وفات پائی،

امۃ السلام، یہ قاضی ابوبکر احمد بن کامل کی صاحبزادی تھین، بڑی فاضلہ تھین، اپنے والد کے مجموعہ تحریر سے روایت کرتی تھین، ان کے علاوہ محمد بن اسماعیل بصلانی اور محمد بن الحسین سے بھی روایت کی ہے، خطیب نے لکھا ہے کہ شیخ تنوخی اور ازہری جب امۃ السلام کا ذکر کرتے تھے، تو اُن کی بڑی تعریف کرتے تھے، اور اُن کو صاحبِ عقل و دیانت اور صاحبِ علم و فضل کہتے تھے، انھون نے عمر کافی پائی، ۳۰۲ھ مین پیدا ہوئین، اور ۳۹۰ھ مین وفات پائی یعنی اٹھانوے برس کی عمر مین،

فاطمہ بنت ہلال ابو عمرو بن السماک اور ابوبکر الشافعی سے روایت کرتی ہین، خطیب نے لکھا کہ مین نے اُن سے کچھ حدیثین لکھی تھین، اس کے بعد لکھتے ہین کہ

وکانت صادقۃ تسکن بالجانب الشرقی ناحیۃ الوثلاثا (تاریخ ج ۱۴ ص ۴۴۵)	یہ صادقہ تھین، وثلاثا کے مشرقی کنارہ مین رہتی تھین،

اُن کی سند سے ایک روایت صلوا علیٰ اخ لکم مات بغیر بلادکم[۱] بھی نقل کی ہے، اس حدیث کا سنہ روایت ۳۰۹ھ لکھا ہے،

اسی چوتھی صدی کے آخر مین لیلیٰ یا بیتی بنت عبد الصمد ایک راویۂ حدیث گذری ہین، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین دو جگہ اُن کا تذکرہ کیا ہے، دونون جگہ انھون نے عبد الرحمن بن ابی شریح سے روایت کی ہے، اور اُن سے عبد الاول بن عیسیٰ نے ان مین سے ایک حدیث کا ذکر بخاری نے اور دوسری کا ترمذی نے کیا ہے[۱]، فاطمہ بنت محمد اسی صدی کے نصف یا آخر مین موجود تھین، اُن کے متعلق خطیب نے افسوس کے لہجہ مین لکھا ہے، کہ مجھے اُن سے سماع نصیب نہین ہوا، لیکن ابو طاہر اشنانی نے اُن کی سند سے مجھ سے روایت کی ہے، پھر لکھتے ہین، وکانت ثقۃ (وہ ثقہ تھین)

طاہرۃ بنت احمد بن یوسف، یہ غیر معمولی علم و فضل کی مالک تھین، خطیب اُن کے شاگردون مین ہین، وہ اپنے سماع کے متعلق لکھتے ہین،

سمعنا ہا فی دار القاضی ابی القاسم التنوخی،	ہم نے اُن سے قاضی تنوخی کے گھر مین سماع کیا ہے،

اس سماع مین قاضی تنوخی بھی شریک تھے، اور انہی کی کتاب کے ذریعہ سماع ہوا تھا، خطیب لکھتے ہین کہ طاہرہ نے مجھ سے اپنی ولادت اور روایتِ حدیث کے متعلق خود کہا تھا کہ

"مین ۳۵۹ھ مین پیدا ہوئی اور مین نے ابو محمد بن ماسی، مخلد بن جعفر، ابو الحسن بن لؤلؤ

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ نجاشی شاہ حبشہ کی موت کی خبر سُن کر فرمایا تھا، اس کا ترجمہ ہے کہ اپنے ایک بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جس نے دوسرے ملک مین وفات پائی ہے[۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷۱ و ۲۳۳،

ابوبکر اسمٰعیل وغیرہ نے روایت کی ہے، لیکن افسوس ہے کہ میری تمام کتابین ضائع ہوگئین،

اس سے معلوم ہوا کہ اُن کی مُرتب کردہ کچھ کتابین بھی تھین،

خدیجہ بنت موسیٰ اُن کا زمانہ چوتھی صدی کا آخر یا پانچوین صدی کا شروع ہے، خطیب کی معاصر تھین یہ ابوحفص بن شاہین سے روایت کرتی ہین، خطیب اُن کی روایتین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہین،

کانت ثقة صالحة فاضلةً، یہ ثقہ، صالحہ اور صاحبِ علم و فضل بھی تھین،

یہ واعظ بھی تھین اور اسی لقب سے مشہور تھین، ۴۳۶ھ مین وفات پائی،

پانچوین اور چھٹی صدی مین بھی بےشمار ایسی خواتین ہین، جنھون نے کسی نہ کسی حیثیت سے حدیث کی خدمت کی ہے، چند مشاہیر کے نام اور کارنامے درج ذیل ہین،

سبلیة بنت ابی القاسم سبیة اپنے والد اور عمر بن محمد سے روایت کرتی ہین، خطیب نے اُن سے روایت کی ہے، اُن کے بارے مین وہ لکھتے ہین،

کانت صادقة فاضلة نہایت سچی اور فاضلہ تھین،

۴۴۴ھ مین وفات پائی،

خدیجہ بنت محمد، خطیب اُن کے شاگرد ہین، اُن کے بارے مین لکھا ہے، کہ یہ صالحہ اور صادقہ تھین، خطیب نے اُن کی سند سے یہ روایت خاص طور سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"قیامت کے روز مین اُمت کے ہر شخص کو پہچان لونگا"

اسی صدی مین عائشہ بنت الحسن ایک محدثہ گذری ہین، جن کا تذکرہ امام ذہبی نے تذکرة الحفاظ مین متعدد جگہ کیا ہے، ان سے محمد بن فضل اور اسمٰعیل بن محمد صاحبِ ترغیب و ترہیب جیسے محدثین نے روایت کی ہے، (ج ۴ ص ۹۴ و ۲۰)

انہی صدیون مین فاطمہ جوذانیہ اصبہان مین ایک مشہور و معروف محدثہ گذری ہین، جو علمِ حدیث کی پوری عالمہ تھین، امام ذہبی نے اُن کو مسندة اصبہان لکھا ہے[51] طبرانی کی معاجم[52] کا انھون نے خاص طور سے سماع کیا تھا، صاحبِ شذرات الذہب لکھتے ہین،

سمعت ابن زبدة معجمی الطبرانی[53] ۵۳۵ھ (ج ۴ ص ۷۳) انھون نے ابن زبدہ سے طبرانی کی معاجم ثلاثہ کا سماع کیا تھا،

تقریباً سو برس کی عمر پائی یعنی ۴۳۳ھ مین پیدا ہوئین اور ۵۳۲ھ مین وفات پائی، انہی کی ہم نام اور ہم عصر ایک دوسری خاتون فاطمہ بنت الحسن ہین، جو مشہور صوفی ابوالحسن الدقاق کی صاحبزادی اور شیخ ابوالقاسم قشیری کی زوجہ تھین، اپنے والد اور اپنے شوہر کی طرح یہ بھی علم و تقویٰ مین ممتاز تھین، علمِ حدیث سے انھین خاص لگاؤ تھا اور اسمین انھین علوِ سند حاصل تھا، ابن عماد لکھتے ہین،

کانت کبیرة القدر عالیة الاسناد بڑی عزت و قدر اور علوِ سند کی حامل تھین،

شیخ ابونعیم اسفرائینی علوی اور حاکم جیسے محدثین سے سماع حاصل تھا، ۴۸۰ھ مین وفات[54] پائی، اور اس وقت اُن کی عمر ۹۰ برس کی تھی، اس لحاظ سے سنہ پیدائش ۳۹۰ھ ہوتا ہے، اسی نام کی ایک اور خاتون بھی تھین جن کو علمِ حدیث سے کوئی خاص تعلق نہین تھا، لیکن نام اور سنہ وفات کے اشتراک کی وجہ سے صاحبِ السیر الحثیث[55] نے دونون کے کارنامون کو ملا دیا ہے، مثلاً اُن کے متعلق لکھا ہے کہ فاطمہ خطاطی کی ماہر تھین، حالانکہ خطاطی کی ماہر فاطمہ بنت الحسن نہین، بلکہ دوسری فاطمہ ہین جنکی کنیت ام الفضل ہے،

---

[51] دول الاسلام ج ۲ ص ۳۲ ۔ [52] طبرانی کی حدیث مین تین کتابین مشہور ہین جن کا نام معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر ہے [53] شذرات الذہب ج ۳ ص ۶۵ [54] ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے اس نام سے تدوین حدیث پر ایک طویل مضمون لکھا ہے جو مجموعۂ مضامین عربی مین حیدر آباد سے شائع ہو چکا ہے، ہم نے متعدد جگہ اس سے مدد لی ہے،

شذرات الذہب مین دونون کے حالات الگ الگ درج ہین،

کریمہ بنت احمد ابن اثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث کی رکن رکین تھین، اُن کے درسِ حدیث کی اتنی شہرت تھی کہ بڑے بڑے علما اس مین شریک ہوتے تھے، مثلاً ابوالمحاسن المصری، خطیب بغدادی، ابو عبداللہ محمد بن نصر جو حمیدی کے نام سے مشہور ہین، وغیرہ تمام عصر علما، اُن کے علم وفضل کے معترف تھے، ہرات کے مشہور محدث ابوذر نے اپنے شاگردون کو وصیت کی تھی کہ اُن کے بعد بخاری شریف کا درس کریمہ کے علاوہ وہ کسی دوسرے سے نہ لین، بخاری شریف پر ان کو اس قدر عبور تھا کہ خطیب بغدادی نے محض پانچ روز مین ان سے بخاری کا دورہ کیا تھا[1]،

اسی پانچوین اور چھٹی صدی کے درمیان فاطمہ بنت محمد ایک محدثہ گذری ہین، یہ اصبہان کی رہنے والی تھین، محدثین ان کو مسندۃ اصبہان لکھتے ہین، انھون نے حدیث کا سماع ابوالفضل الرازی، احمد بن محمود الثقفی وغیرہ سے کیا تھا، صحیح بخاری خاص طور سے مشہور محدث سعید بن العیار سے پڑھی تھی، امام ذہبی نے لکھا ہے کہ جن لوگون نے ۵۲۴ھ مین وفات پائی، ان مین مسندۂ وقت فاطمہ بنت عبداللہ بھی تھین، پھر آخر مین لکھتے ہین کہ

خاتمۃ من روی عن ابی ذیل[2] — محمد ابن زیدہ سے روایت کرنیوالون مین آخری تھین،

۹۴ برس کی عمر پائی یعنی ۴۳۵ھ مین پیدا ہوئین، ۵۲۹ھ مین وفات پائی[3]،

اُنھی کی ہم عصر اور ہمنام ایک محدثہ ام الخیر فاطمہ بنت علی ہین جنھون نے صحیح مسلم اور خطابی کی غریب الحدیث خاص طور سے شیخ ابوالحسن فارسی سے پڑھی تھی، اور خود اس کا درس دیتی تھین، وہ عورتون کی اصلاح وتعلیم کا خصوصیت کے ساتھ بہت خیال رکھتی تھین، ۵۳۱ھ مین وفات پائی، اس وقت اُن کی عمر ۹۰ برس کی تھی[4]،

۱ [illegible] ۲ شذرات الذہب ج ۴ ص ۱۲۳ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۰۰ ۴ شذرات الذہب جلد ۴ ص ۱۱۰

اس نام کی دو اور خواتین اسی زمانہ مین پیدا ہوئین جن کی خدمات حدیث بھی قابلِ ذکر ہین،

فاطمہ بنت سعد الخیر انھون نے حافظ ابونصر الحسن البورانی سے سماعِ حدیث کیا تھا، امام ذہبی نے اُن کو مسندۃ مصر لکھا ہے[1]، اسی طرح فاطمہ شہرزوریہ صاحب علم وفضل تھین، اور صحیح مسلم کا درس خاص طور سے دیتی تھین[2]،

ان کے علاوہ ام الغیث الوہبانیہ ایک شامی خاتون ہین جن کو امام ذہبی نے مسندۃ شام لکھا ہے، اُن سے عبدالمنعم، زینب بنت کندی اور زینب بنت عبدالرحمن[3] وغیرہ حفاظ حدیث نے روایت کی ہے، اصبہان مین ایک مشہور محدثہ عین الشمس تھین جن سے شام کے مشہور حافظ حدیث زکی الدین برزلی نے حدیث پڑھی تھی[4]، یہ امام البغوی کے تلامذہ مین ہین، ایک محدثہ خدیجہ بنت الرضی گذری ہین جن کا تذکرہ تذکرۃ الحفاظ مین ضمناً آیا ہے[5]،

اسی صدی مین ایک بہت مشہور ومعروف محدثہ شہدۃ الکاتبۃ گذری ہین، خطاطی مین انھین کمال حاصل تھا، اور یہی وجہ ہے کہ کاتبہ اُن کے نام کا جز بن گیا ہے، حدیث وفقہ مین انھین خاص درک تھا، صاحب اعلام ابن خلکان کے حوالہ سے لکھتے ہین،

فقیہۃ من کبار العلماء — فقیہہ تھین اور ان کا شمار بڑے بڑے علما مین تھا،

انھون نے علم حدیث اپنے والد سے جو خود بڑے پایہ کے محدث تھے، حاصل کیا تھا، اون کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے والون کی تعداد بھی بہت کافی ہے، اُن کو علو سند بھی حاصل تھا، اس لئے لوگ اُن سے روایت کرنے کو فخر سمجھتے تھے، اسی بنا پر بعض لوگون نے غلط طور پر اُن سے اپنا تلمذ ثابت کیا ہے، بعض اہل رجال نے اُن کو سند الحدیث اور فخر النساء لکھا ہے، اُن کے شوہر علی بن محمد بھی جو خلیفہ المقتفی عباسی کے خاص ہم نشینون مین تھے، بڑے علم دوست تھے، شاید اُن کی یہ علم دوستی اور اپنی عالمہ بیوی کی

۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۸۳ ۲ مجموعہ مضامین ص ۳۲۳ ۳ ان دونون خواتین کا تذکرہ آگے آتا ہے ۴ تذکرہ جلد ۴ ص ۲۱۵، ۵ ایضاً ص ۵۵،

دلداری کا نتیجہ تھا کہ انھون نے دجلہ کے کنارہ ایک مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرائی تھی[51]،

شہدہ اصل مین دینور کی رہنے والی تھین، لیکن غالباً اُن کے والد نے بغداد مین مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، سنہ ۴۸۲ھ مین پیدا ہوئین، اور ۵۷۴ھ مین وفات پائی یعنی ۹۲ برس کی عمر مین[52]، ابن جوزی نے منتظم مین ان کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ مین کیا ہے، اُن کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین،

سمعت الحدیث من ابن السراج	ابن سراج اور طراد سے سماعِ حدیث کیا تھا،
وطراد وغیرھما وعاشت مخالطۃ	انھون نے اپنے گھر مین اور اہلِ علم کی صحبت
للدار ولاھل العلم وقرئ علیھا	مین زندگی بسر کی، اُن سے برسون حدیث
الحدیث سنین،[53]	پڑھی گئی،

شہدہ کے علم وفضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابن عبید کی کتاب الاموال کی یہ راویہ ہین، راویہ ہی نہین، بلکہ اس کتاب کے جتنے سلسلۂ روایات ہین، وہ سب شہدہ ہی پر منتہی ہوتے ہین،

مثلاً کتاب کے راوی کہتے ہین،

"اخبرتنا الشیخۃ الصالحۃ الکاتبۃ المدعوۃ فخر النساء شھدۃ بنت ابی نصر"

یہ تو دمشقی نسخہ کے راوی کا بیان تھا، شامی نسخہ کے راوی کا بیان ہے کہ

"قرأت ھذا الجزء وما قبلہ من کتاب الاموال علی شھدۃ بنت احمد بن الفرج"

ایک دوسرے سماع کے یہ الفاظ ہین،

---

[51] البدایہ الحثیث ص ۲۴۰، [52] اعلام ج ۲ ص ۴۱۸ [53] منتظم جلد ۱۰ ص ۲۸۵، [54] ایضاً ج ۹ ص ۲۰۱

سمع جمیع ھذا الجزء وما قبلہ من	اس کتاب کے تمام اجزاء کا سماع شہدہ
الاجزاء علی الجھۃ العالمۃ الکاتبۃ	کاتبہ جو فخر النساء کے نام سے معروف
فخر النساء شھدۃ بنت الشیخ	ہین، کیا گیا،
ابی نصر،	

ان عبارتون سے اُن کی عظمت اور علمی مرتبہ کا پورا اندازہ ہوگیا ہوگا،

رابعہ بنت حکیم ان کا شمار بھی اس صدی کے محدثات مین ہوتا ہے، ابن جوزی کے شیخ ابن ناصر کی یہ والدہ تھین، حدیث مین انھون نے متعدد علماء سے استفادہ کیا تھا، مثلاً ابن المسلمہ، ابن النقور اور جوہری وغیرہ اُن سے اُن کے صاحبزادے ابن ناصر نے استفادہ کیا تھا، ۵۱۲ھ مین وفات پائی[51]،

فاطمہ بنت الحسین نہایت زاہدہ وعابدہ تھین، انھون نے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی جس مین اس وقت کی تمام زاہدات جمع ہوکر اُن سے روحانی فیض حاصل کرتی تھین، زہد وتقوی کے علاوہ صاحبِ علم وفضل بھی تھین، علمِ حدیث سے خاص شغف تھا، ابن مسلمہ، ابوبکر الخطیب اور ابوجعفر وغیرہ سے سماع حاصل تھا، ابن جوزی کے شیوخ مین ہین، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابراہیم حربی کی "ذمۃ الغیبۃ" اور مجالس ابن سمعون" وغیرہ کا سماع مین نے ان ہی سے کیا تھا، اس کے علاوہ مسند الشافعی اور دوسری کتبِ حدیث کا بھی ابن جوزی نے اُن سے سماع کیا تھا، رے کی رہنے والی تھین، ۵۲۱ھ مین وفات پائی[52]،

اُن کے علاوہ اُمّ غیث بنت حسن بن حن کو امام ذہبی نے مسندۂ بغداد لکھا ہے[53]۔

فاطمہ بنت عبداللہ، فاطمہ بنت نصر، فاطمہ بنت جوہر وغیرہ بھی اسی صدی کی صاحبِ علم وفضل، اور صاحبِ زہد وتقوی خواتین گذری ہین، ابن جوزی نے المنتظم مین اُن کا تذکرہ کیا ہے (ص ۸۸ و ۹ و ۲۶)

---

[51] المنتظم جلد ۹ ص ۲۰۱، [52] ایضاً ج ۱۰ ص، [53] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۹، ج ۴،

ابن عماد نے چند اور خواتین کو بھی اس فہرست مین داخل کیا ہے، مثلاً

خدیجہ بنت احمد، زمرد خاتون، خاتون بنت احمد، زمرد خاتون حافظ قرآن بھی تھین

اور انھون نے دینی علوم کی تدریس کے لئے ایک مدرسہ بھی بنوایا تھا،[۵۱]

ساتوین صدی مین بھی بیشمار خواتین نے علم و فن اور خاص طور سے علمِ حدیث کی خدمت مین حصہ لیا

اور اُس کو ترقی دی، لیکن افسوس ہے کہ اس صدی کا کوئی ایسا تذکرہ موجود نہین ہے جس سے اس

سلسلہ مین کوئی مدد لی جا سکے، عام تذکرہ اور تاریخ کی جو کتابین موجود ہین، اُن مین اس صنف کی علمی

خدمات کا تذکرہ بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، بہر نوع انہی کتابون مین متفرق طور پر موضوع کے متعلق

جو معلومات فراہم ہو گئے ہین، وہ پیش کئے جاتے ہین،

ام احمد زینب بنت مکی ساتوین صدی کی مشہور محدثہ ہین، انھون نے علم حدیث کا حصول

اس وقت کے تمام کبار علماء سے کیا تھا، خود اُن سے ایک مخلوق نے استفادہ کیا، یافعی اور ابن عماد اُن کے

بارے مین لکھتے ہین،

وازدحم علیھا الطلبۃ	اُن سے استفادہ کرنے کے لئے طلبہ اُن پر ٹوٹتے تھے

انھون نے مسند احمد بن حنبل پر خاص طور سے طلبہ کے سامنے متعدد تقریرین کی تھین،[۵۲] علم و فضل

کے ساتھ صاحب زہد و تقویٰ بھی تھین،

ام المویّد زینب، بنت عبدالرحمٰن، ابو القاسم عبدالرحمٰن الشعری ساتوین صدی کے ایک

ممتاز بزرگ گذرے ہین، ام المویّد انہی کی صاحب زادی تھین، تمام علوم دینیہ مین انھین دسترس تھی، اُس

وقت کے بیشتر علماء، مثلاً ابو المظفر، عبدالغافر بن اسماعیل، امام ابو البرکات اور مشہور مفسر زمخشری وغیرہ

۵۱ مراۃ الجنان ج ۴ ص ۲۰۰ ، ۵۲ ایضاً ، اور البیر الحثیث ، ۵۳ ایضاً

سے انھون نے استفادہ اور روایت کی تھی،[۵۴] یافعی لکھتے ہین،

کانت عالمۃ ادرکت جماعۃ من العلماء واخذت عنھم روایۃ واجازۃ (مراۃ الجنان ج ۴ ص ۳۱)	عالمہ تھین، علماء کی ایک جماعت سے انھون نے روایت اور اجازت کے ذریعہ سے استفادہ کیا تھا،

شذرات الذہب مین ہے،

وانقطع بموتھا اسناد عالٍ[۵۵]	اُن کی وفات سے اسناد عالی ختم ہو گئی،

تقریباً ایک سو برس زندہ رہین، یعنی ۵۲۴ھ مین پیدا ہوئین، اور ۶۱۵ھ مین وفات پائی، امام ذہبی نے

تذکرۃ الحفاظ مین دو جگہ اُن کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حافظ جوزقی جو چھٹی صدی کے مشہور حافظ حدیث

ہین، اُن سے یہ صرف دو واسطون سے روایت کرتی ہین،[۵۶]

عفیفہ بنت احمد، یہ فارقانیہ اور اصبہانیہ کی نسبت سے مشہور ہین، علم حدیث سے اُن کو خاص شغف

تھا، چھٹی صدی کے مشہور محدث حافظ عبدالواحد جنھین شیخ ابو نعیم سے سماع حاصل تھا، اُن سے عفیفہ اپنے زمانہ

مین آخری روایہ تھین، طبرانی کی معجم کبیر اور معجم صغیر انھون نے فاطمہ جوزدانیہ (جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے) سے

پڑھی تھی، ۹۰ برس کی عمر پائی، یعنی ۵۱۶ھ مین پیدا ہوئین، اور ۶۰۶ھ مین وفات پائی،[۵۷]

عائشہ بنت معمر، یہ بھی اصبہان کی رہنے والی تھین، فاطمہ جوزدانیہ کی مجلسِ درس مین شریک

ہو چکی تھین، اس زمانہ کے متعدد محدثین سے انھون نے روایت کی ہے، ابن نقطہ جو ساتوین صدی کے ایک

معروف محدث ہین، عائشہ سے انھون نے مسند ابو یعلیٰ خاص طور سے پڑھی تھی، اُن کو مسند ابو یعلیٰ کا سماع

سعید الصیرفی متوفی ۵۳۲ھ سے حاصل تھا، صیرفی مسند کی روایت مین خاص طور سے مشہور تھے، ۶۰۷ھ

۵۴ شذرات الذہب ج ۵ ص ۶۳ ، ۵۵ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۳۱ و ۲۱۹ ، ۵۶ شذرات الذہب جلد

۵۷ ایضاً ص ۲۵ ،

ین عائشہ کا انتقال ہوا، ۸۰ برس یا اس سے زیادہ عمر پائی، [1]

کریمہ بنت عبدالوہاب انھون نے اپنے والد عبدالوہاب کے علاوہ بیشمار شیوخ سے سماعِ حدیث کیا تھا، کریمہ مشہور محدث ابوشامہ کے اولین شیوخ مین ہین، اُن کے علاوہ اُن سے استفادہ اور روایت کرنے والون کی تعداد بہت کافی ہے، شذرات الذہب مین ہے کہ انھون نے کثرت سے روایت کی ہے، [2] امام ذہبی نے اُن کو مسندۃ الشام لکھا ہے [3] ۶۴۱ھ مین وفات پائی، اس وقت اُن کی عمر ۹۰ برس کی تھی، [4] کریمہ کی ایک بہن صفیہ تھین، یہ بھی اپنے وقت کی مشہور خواتین مین تھین، اُن کو اپنے والد سے تو سماع نہین تھا، لیکن دوسرے کبار محدثین سے سماع حاصل تھا، ابن عماد لکھتے ہین،

تفردت فی زمانھا، — اپنے زمانہ مین منفرد تھین (ج ۵ ص ۲۲۴)

فاطمہ بنت الحافظ عمادالدین، یہ حافظ عساکر کی پوتی تھین، اُن کے والد بھی حدیث کے مستند شیوخ مین تھے، اپنے والد کے علاوہ خاص طور سے ابن طبرزد سے استفادۂ حدیث کیا تھا، [5]

صفیہ بنت علی، علی بن احمد واسطی کی صاحبزادی ہین، اُن کو شیخ موفق صاحب المغنی سے سماع حاصل تھا، ابن راجح اُن کے شیوخ مین ہین، اُن کی ایک بہن زینب تھین، جن کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے، کہ شیخ موفق کی مرویات ہم تک اُنھی کے واسطے سے پہنچی ہے، علم و فن کے علاوہ زہد و تقوی کے زیور سے بھی آراستہ تھین، صفیہ کی وفات ۶۹۱ھ مین اور زینب کی ۶۹۵ھ مین ہوئی، [6]

امۃ الحق، یہ شام کے اس خانوادہ کی چشم و چراغ تھین، جس مین علم و فضل کئی پشت سے وراثۃً چلا آرہا تھا، ان کو اپنے والد اپنے دادا اور اپنے پردادا تینون سے سماع حدیث حاصل تھا، ان کے علاوہ اس صدی کے دو مشہور شیوخ حدیث حنبل رصافی اور ابن طبرزد سے بھی استفادہ کیا تھا، ابنِ عماد نے

[1] تذکرہ اور شذرات الذہب جلد ۵ ص ۲۱۲ [2] ایضاً ص ۲۱۲، و ۲۱۳ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۲۲۶، [4] ایضاً ص ۲۲۶، [5] شذرات الذہب جلد ۵ ص ۴۲۲ [6] ایضاً،

لکھا ہے کہ اپنے زمانہ مین حدیث کے متعدد اجزاء کے سماع مین وہ منفرد تھین، ۶۰۸ھ مین اس دارِ فانی کو چھوڑا،

عائشہ بنت عیسیٰ، یہ شیخ موفق صاحبِ المغنی کی جو اپنے وقت کے امام تھے، پوتی تھین، امام ذہبی کے شیوخ مین ہین، انھون نے لکھا ہے کہ شیخ موفق کی مرویات زیادہ تر ہم کو اُنھی کے ذریعہ پہنچی ہین، ابن عماد اُن کے علم و فضل کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہین :-

"وہ نہایت پاکیزہ اور عبادت گذار، اور صالحہ تھین، [1]"

امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف بڑی عالمہ تھین، ابن عماد اور یافعی نے لکھا ہے،

روت الکثیر عن ابن اللتی ومکرم	ابن لتی، مکرم اور شیخ ابن زبیدی سے کثرت
وعن ابن الزبیدی [2] (شذرات جلد ۵ ص ۴۵۲)	سے روایت کی ہے،

امام ذہبی نے العالمۃ الکاتبہ اور یافعی نے عالمہ فاضلہ لکھا ہے [3] ۶۹۹ھ مین انتقال کیا،

اُنھی کی ہم نام ایک اور خدیجہ تھین، جو مفتی محمد کی صاحبزادی تھین، ان کا تذکرہ بھی یافعی اور امام ذہبی نے کیا ہے [4] ۶۹۹ھ مین وفات پائی،

اسی ۶۹۹ھ مین متعدد صاحبِ علم و فضل خواتین نے وفات پائی، ان مین ایک ھدیہ بنت عبدالحمید ہین، جو صحیح بخاری کی روایت شیخ ابن زبیدی کے واسطہ سے کرتی ہین، دوسری صفیہ بنت عبدالرحمن المنادی کی صاحبزادی ہین، شیخ موفق سے روایت کرنے والون مین صفیہ کا شمار پانچوین طبقہ مین ہے، امام ذہبی، ابن عماد اور یافعی وغیرہ نے ان کا تذکرہ اچھے الفاظ مین کیا ہے،

بلادۃ بنت فخرالدین، یہ اس خاندان کی نورِ نظر تھین، جس مین علم و فضل کا چرچا صدیون سے آ رہا تھا،

[1] شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۰۲ [2] مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۲۳۱ [3] ایضاً تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۷۹ [4] شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۴۴

یعنی یہ امام ابن تیمیہ کی دادی تھین، امام ابن تیمیہ کے دادا شیخ مجد الدین اپنے وقت کے شیخ کل تھے، انکی کتاب المنتقی سے اہل علم بخوبی واقف ہین، بدرہ شیخ کی چچازاد بہن اور ان کی بیوی تھین، ضیا ابن الخریف سے یہ خاص طور سے روایت کرتی تھین[۱]،

زینت بنت عمر، امام ذہبی نے ان کو "مسندبعلبک" لکھا ہے، اور روایت کے سلسلہ مین متعدد جگہ ان کا تذکرہ کیا ہے، اور اُن کو امام نووی کے طبقہ مین شمار کیا ہے[۲]،

ساتوین صدی مین تاتاریون کا طوفان اٹھا، جس نے مسلمانون کے تمام شعبہاے زندگی کا شیرازہ درہم برہم کردیا، اس طوفان کا اصلی رُخ تو اُن کی سیاسی زندگی کی طرف تھا، مگر اسی مین ... ان کے ذخیرۂ علم وفن کا ایک ایک ورق پریشان اور اُن کی تہذیب وتمدن کا ایک ایک نقش مدھم پڑگیا، کتنی علمی مجلسین بے چراغ ہوگئین، رشد وہدایت کی کتنی مسندین سونی پڑگئین، علم حدیث جس کا چرچا گھر گھر تھا، اخبرنا اور حدثنا کی جو آواز کوچہ کوچہ سے سُنائی دیتی تھی، اس صدی کے آخر مین یہ آواز بھی دھیمی پڑگئی، اور اس کا چرچا کم ہوگیا، امام ذہبی اس صدی کے آخر کے متعلق بڑے افسوس کے ساتھ لکھتے ہین،

وَقدْ قل من یعتنی بالآثار و معرفتها فی هذا الوقت فی مشارق الارض ومغاربها علی راس السبع المائة اما المشرق واقلیمه فغلق الباب وانقطع الخطاب ...... واما المغرب وما بقی من جزیرة الاندلس فینذر من یعتنی بالروایة کما ینبغی فضلا عن الدرایة[۱]،

(ساتوین صدی کے آخر مین تمام مشرق ومغرب مین حدیث وآثار سے اعتنا اور اس پر نظر رکھنے والے بہت کم ہوگئے ہین، مشرقی ممالک کو اگر لیجئے، تو علم حدیث کے لئے گویا اُن کا دروازہ بند ہوگیا ہے اور حدثنا واخبرنا کہنے والے موجود نہین، یہی حال مغرب کا بھی ہے، حتی کہ جزیرۂ اندلس مین بھی شاذونادر ہی ایسے لوگ ہون گے، جو روایت حدیث سے کماحقہ دلچسپی لیتے ہون گے، چہ جائیکہ درایت حدیث سے دلچسپی لینے والے (تو شاید موجود بھی نہ ہون)،

لیکن اسی صدی مین امام مزی، حافظ ابن کثیر، امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن اثیر صاحب نہایہ امام ذہبی وغیرہ جیسے محدثین پیدا ہوئے، جنھون نے اپنی توجہ زیادہ تر علم حدیث ہی پر مرکوز رکھی، اُ ذوقِ حدیث کی عام کمی کو اپنی دینی اور علمی مساعی سے پورا کر دیا،

اسی دور قحط الرجال مین مردون کے ساتھ بہت سی خواتین نے بھی اپنی ساری توجہ اس فن پر مبذول رکھی، اُن مین سے کچھ خواتین کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ کچھ اور محدثات ہین، جن کا فرداً فرداً تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا، اس لئے صرف اُن کا نام مع تاریخ وفات نقل کر دیا جاتا ہے:-

نعمہ بنت علی متوفاۃ ۶۰۲ھ، یہ ست الکتبہ کے نام سے مشہور ہین، البقیہ بنت محمد، زینب بنت ابراہیم متوفاۃ ۶۱۰ھ، عین الشمس بنت احمد بن الفرج متوفاۃ ۶۱۰ھ، یاسمین بنت عبد اللہ متوفاۃ ۶۱۰ھ، زہرہ بنت محمد متوفاۃ ۶۳۳ھ، جمال النساء بنت احمد متوفاۃ ۶۴۰ھ، سعیدہ بنت عبد الملک متوفاۃ ۶۱۰ھ، فاطمہ بنت سعد الخیر متوفاۃ ۶۴۳ھ، ربیعہ خاتون متوفاۃ ۶۹۳ھ، ست العرب متوفاۃ ۶۸۴ھ، فاطمہ متوفاۃ ۶۶۷ھ، سلطان صلاح الدین کی پوتی تھین، امۃ الحق بنت الحافظ ابو الحسن البکری متوفاۃ ۶۸۵ھ[۲]،

یہ ساتوین صدی کی ان خواتین کی فہرست ہے جن کا شمار مشاہیر مین ہے، اور جنھون نے اس وقت کے کبار علماء ومحدثین سے سماع یا روایت کی ہے، ورنہ یہ فہرست اور طویل ہوسکتی تھی، (باقی)

---

[۱] شذرات ج ۵ ص ۴۰۴ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۸۸ و ص ۲۱۲، و ۲۷۹،

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [۲] ان خواتین کے زیادہ تر نام شذرات الذہب جلد ۵ سے لیے گئے ہین،

بیان اللسان اور تبصرہ برہان

از جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی

ہند و پاکستان مین کل عالم اسلامی کی مجموعی تعداد کا تقریباً ایک ربع مسلمان رہتے بستے ہین، یہ مسلمان اپنے جذبۂ دینی اور شغف ملی کے لحاظ سے کبھی کسی دوسرے اسلامی ملک سے پس ماندہ نہین رہے، انکی زندگی کی اساس بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے، اور یہی دو چیزین ان کی فکر و عمل کا محور رہی ہین،

چونکہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی زبان مین ہین، اور ان کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کا سیکھنا عجمی مسلمانون پر بقدر استطاعت واجب ہے (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیۃؒ)، اس لیے عربی زبان ہمیشہ اسلامی ہند کی ملی زبان رہی ہے، یہان کے مدارس دینیہ کے دیوار و در اور مساجد کے محراب و منبر عربی زبان کے دل افروز و روح پرور نغمون سے ہمیشہ گونجتے رہے ہین،

کسی زبان کی تحصیل اس کے لغت کے بغیر ممکن نہین، پھر عربی جیسی زبان کی تحصیل جس مین ایک ایک لفظ کے سینکڑون معانی اور ایک ایک معنی کے لیے سینکڑون الفاظ ہون، با این ہمہ مہرۂ فن کا دعوی ہو کہ محل استعمال کے دقیق فروق کے لحاظ سے عربی زبان مین کوئی لفظ مترادف نہین (مقدمۂ مفردات القرآن امام راغب اصفہانیؒ)

یہی وجہ ہے کہ علمائے ہندوستان نے جہان دیگر علوم دینیہ کے خزانون مین گوہر ہائے شب چراغ کا اضافہ کیا، وہان عربی لغت کے دامن کو بھی خالی نہ چھوڑا، چنانچہ امام صغانی لاہوری (صاحب العباب الزاخر)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی (صاحب تاج العروس شرح قاموس) و عبد الرحیم بن عبد الکریم صفی پوری (صاحب منتہی الارب) اس آسمان کے نیر ہائے درخشان اور اس گلشن کے گلہائے خندان ہین،

مگر قافلۂ علم کی بادیہ پیمائیون کی انتہا کسی منزل پر نہین ہوتی، اور حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے، اسلیے یورپ کی جدید نہضت علمی کے سلسلہ مین فن لغت نویسی مین جو اختراعات ہوئی ہین، ان سے بے اعتنائی بڑی کوتاہی ہے، ممالک عربیہ مین بیروت کے مطبع آبا یسوعیین نے یورپین ڈکشنریون کے طرز پر عربی لغت کی ترتیب جدید کے سلسلہ مین جو قدم اٹھایا وہ قابل شکر ہے، چنانچہ ان کی دو کتابین "اقرب الموارد" (سعید الخوری الشرتونی) اور المنجد (الاب لوئس معلوف الیسوعی)، تو مقبول عام ہو چکی ہین اور اپنے محاسن صوری و معنوی کے لحاظ سے لائق قدر ہین، مگر یہ کتابین اپنی گران قیمتی اور کمیابی اور پھر عربی سے عربی مین ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے عربی خوان حلقون کی ضرورت کو پورا نہین کرتین، علاوہ ازین کتاب و سنت کی تشریح کے سلسلہ مین ان پر اعتماد نہین کیا جا سکتا، کیونکہ اصطلاحات دینیہ ان مین بہت کم ملتی ہین، اور اگر ملتی ہین تو معانی مصطلحہ نہین ملتے، تمثیلاً المنجد مین الفاظ ظہار، ظہر، اِحرام، حَولقہ، حامِ، وَصِیلہ، اجتہاد، مجدد، قِران، تمتع تلاش کیجیے،

گذشتہ سالون مین مولفین ہند نے لغت کے سلسلہ مین جو کوششین کین ان کی حدود ان کے آگے نہ بڑھین کہ مصر و بیروت کے مسیحی علماء کی ان لغات کے ترجمے تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ کر دیے گئے،

معجم العربیۃ (عربی اردو ڈکشنری) کے نام سے ولیم ٹامسن ورتے باٹ کی عربی انگریزی ڈکشنری کا ترجمہ اردو مین، پنجاب یونیورسٹی کی فرمایش پر غالباً مولانا محمد طلحہ پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے ۱۹۳۰ء مین کیا، اور یونیورسٹی ہی کی طرف سے ۱۹۳۶ء مین شائع ہوا، یہ لغت متوسط سائز کے ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا نے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ مولف کے اغلاط و مسامحات کو بھی درست کیا، جس سے موصوف کے ذوق تحقیق کا پتہ چلتا ہے،

دوسرا قابل ذکر لغت تسہیل العربیۃ ہے، یہ مشہور بیروتی مدرسی لغت المنجد کا ترجمہ ہے (اگرچہ مولفین نے کاپی رائٹ کے قانون کی زد سے بچنے کے لیے اس کا اعتراف نہیں کیا) جو دو قادیانی اہل قلم مولوی محمد جی صاحب (مولوی فاضل) اور چودھری غلام محمد بی اے کی مشترکہ کوشش سے ۱۹۳۷ء میں تکمیل ہوا اور اللہ بخش اسٹیم پریس قادیان سے بڑے سائز کے ایک ہزار صفحات پر شائع ہوا،

المنجد ہی کا دوسرا ترجمہ ہمارے فاضل دوست مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی کے قلم سے مرتب ہوا، اور اسی ماہ ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا، جو نقش ثانی ہونے کے لحاظ سے نقش اول سے کہیں بہتر ہے، یہ سب کوششیں اپنی اپنی جگہ بے حد قابل قدر ہیں، مگر میری حقیر رائے میں ہندوستان کے عربی خوان اور عربی دان حلقوں کے لیے کافی نہیں،

طلبہ کے لیے اس لیے نہیں کہ ان کی ترتیب مادہ کے حروف کے لحاظ سے ہے اور ذوق علم وفن کے اس انحطاط کے دور میں طلبہ میں ان سے استفادہ کی استعداد نہیں، مثلاً صاحب مصباح اللغات نے کتاب سے استفادہ کرنے والوں کو آغاز کتاب میں ہدایت فرمائی ہے کہ

"اگر کسی کلمہ کی تلاش ہو اور وہ مجرد ہو، یا اگر مزید ہو تو مجرد بنا کر یا پہلا حرف بدلا ہوا ہو تو اصل کی طرف لوٹا کر پہلے حرف کے باب میں تلاش کرو" (بالفاظ المرتب)

ظاہر ہے کہ جو شخص اس ہدایت کو سمجھنے کی اور پھر مزید کو مجرد میں تبدیل کرنے کی اور بدلے ہوئے حرف کو اصل کی طرف لوٹانے کی استعداد رکھتا ہو، وہی اس گنج گرانمایہ کا فتح باب کر سکتا ہے،

علماء کے لیے اس لیے نہیں کہ عربی زبان سے واقفیت رکھتے ہوئے ترجمہ کے بجائے اصل ہی کے مطالعہ کو وہ بہرحال ترجیح دیں گے، کیونکہ بیروت کے مطابع میں کم از کم صحت طباعت کا جو اہتمام کیا جاتا ہے اس کا چوتھائی حصہ بھی ہمارے ہاں کے ذمہ دار علمی اداروں میں ممکن نہیں، مثلاً اس وقت مصباح اللغات کا نمونہ کا صفحہ، جو بذریعہ ڈاک بھیجا گیا ہے میرے سامنے ہے، اس کے تیسرے کالم کے آخر میں الخشخاش

پوست کا پودہ واحد (خشخاشہ) ظاہر ہے کہ یہ کتابت ہی کی غلطی ہے، کہ ایک شین کا اضافہ کر دیا گیا، نا اتفاقی ہو گی اگر میں اسے فاضل مصنف کے سر منڈھوں، (اصل کتاب میں بھی ایسا ہی ہے)

بہرحال مصباح اللغات تو اسی مہینہ میں اشاعت پذیر ہوئی ہے، میری کتاب بیان اللسان شائع ہوئی تو یہ دونوں سابقہ کتابیں بھی نایاب تھیں،

"بیان اللسان" کی ترتیب کے وقت میرے پیش نظر طلبۂ عربی اور عام شائقین عربی (جن کی تعداد الحمد للہ روز افزوں ہے) کی ضرورت تھی، اس لیے میں نے اپنی کتاب کو مادہ کے حروف کے لحاظ سے نہیں بلکہ اصل کلمہ کے حروف کے لحاظ سے مرتب کیا، دوران طباعت میں بعض صفحات اپنے مخدوم و محترم اور ہندوستان کے جلیل القدر و عظیم المرتبت فاضل علامہ سید سلیمان مد ظلہ العالی کی خدمت میں بھیجے تو ممدوح نے اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

"عربی زبان کے ایک مختصر عربی لغت کی جو عربی خوان طالب علموں کے کام آسکے، ضرورت بہت دنوں سے محسوس کی جا رہی تھی، میری طالب علمی کے زمانہ تک صراح اس حیثیت سے طالب علموں کے لیے کار آمد تھی لیکن فارسی زبان کا ذوق روز بروز عربی طالب علموں سے کم ہوتا جا رہا ہے، ساتھ ہی قدیم اور جدید طرز ترتیب میں بھی بہت کچھ فرق ہو گیا ہے، طالب علموں کی لیاقت کی کمی سے مادہ سے لفظوں کے معانی کا پتہ لگانا بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے، اس لیے ایک ایسے مختصر مدرسی لغت کی حاجت تھی، جو قرآن پاک اور عام درسی کتب ادب میں طلبہ کو مدد دے —— آپ نے ایک بڑی ضرورت کا احساس فرمایا، میں نے دار المصنفین میں ایک مستند عربی اردو لغت تالیف کرائی تھی، جس کی نظر ثانی مولوی محمد ناظم صاحب ندوی کر رہے تھے، مگر وہ پاکستان کو سدھارے، آپ نے اچھا کیا ایک مختصر لغت کا خیال کیا، اور تنہا اپنی محنت پر بھروسہ کیا، جس سے امید ہے کہ وہ تمام ہو کر طالب علموں کے لیے فائدہ بخش ہو"

کتاب شائع ہو کر ملک کے مشاہیر اہل علم و اصحاب قلم کی نظر سے گذری تو میرے بزرگون اور کرم فرماؤن نے بیان اللسان کے جدید انداز ترتیب اور اس کی دوسری خصوصیات کی داد دی اور اسقدر کہ

کلاہ گوشہ دہقان بآسمان رسید

مین اپنے ان تمام دوستون اور بزرگون کا بے حد ممنون ہون کہ انھون نے میری حقیر علمی کاوش کو اس قدر سراہا، اور سب سے زیادہ شکر گذار ہون اپنے نادیدہ کرم فرما جناب مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری، پروفیسر مدرسہ عالیہ کلکتہ کا جنھون نے بیان اللسان پر گزشتہ ماہ کے "برہان" مین ایک خاصہ بسیط مضمون سپرد قلم فرمایا، اور تصویر کے دونون رخ پیش کر کے تبصرہ نگاری کی ذمہ داری کو حقیقی معنی مین پورا کیا،

مولانا ازہری نے اس سلسلہ مین جو تعقبات کیے ہین ان کے متعلق مجھے چند معروضات پیش کرنے ہین، اس کا مقصد یہ نہین کہ اپنے کام کو نقص و قصور سے بالا سمجھتا ہون، قاموس پر تعقبات کیے گئے اور المنجد کی غلطیان نکالی گئین، تو بیان اللسان کون سی وحی منزل ہے جس مین ایک شوشہ کی غلطی نہ ہو سکے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دور حاضر کے اکثر مصنفین کی طرح مین خود دوسرے اڈیشن مین اس کی تالیفی و طباعتی اغلاط کے دور کرنے کا عزم بالجزم رکھتا ہون، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ غلطی اور غلط فہمی کے درمیان خط فاصل کھنچ جائے،

(۱) فاضل نقاد نے مضمون کے آغاز مین عربی اردو لغت کی ضرورت پر اظہار خیال فرمانے کے بعد لکھا ہے:

"بیان اللسان کے ذریعہ یہ مفید اور اہم خدمت انجام پاگئی، یہ جدید طرز پر المنجد کے سائز مین عربی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اور طالب علمون کے لیے خاص طور پر بہترین رفیق ہے، اس ڈکشنری مین لغات قرآنیہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ جدید استعمال کے معنی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، شروع مین قواعد کا جو حصہ ہے وہ بھی بہت اہم اور مفید ہے، عربی قواعد اختصار کے ساتھ شگفتہ زبان مین بیان کیے گئے ہین، ان قواعد سے جہان لغت دیکھنے اور سمجھنے مین مدد ملتی ہے، وہان خود عربی قواعد سے واقفیت بھی ترجمۂ قرآن پڑھنے والون کیلئے ایک نعمت ہے، اور ان کو بہت سی لغزشون سے بچانے والی بھی، مگر ان قواعد سے جو فاضل مصنف نے کم فائدہ حاصل کیا ہے، ورنہ اس ضخامت مین اس سے زائد ذخیرہ جمع کیا جا سکتا تھا، مثلاً باب الالف مین باب اِفعال سے آنے والے مصادر بیان کیے ہین جو مجرد مین بھی مذکور ہین، البعض مصادر ایسے بھی ہوتے ہین جن کے معنی افعال مین تبدیل ہو جاتے ہین، ان کے وہ معنی بھی مجرد کی بحث مین ہونے چاہئین، تاکہ باحث کو تمام معنی ایک جگہ پر مل سکین، اسی طرح اِفتعال اور اِستفعال وغیرہ ابواب کا ذکر بھی دو جگہ طوالت سے خالی نہین ہے"۔

اس اعتراض کا لب لباب یہ ہے کہ "لغت کی ترتیب مادہ کے حرُوف کے اعتبار سے ہونی چاہیے تھی، اصل کلمہ کے الفاظ کے لحاظ سے نہین"، یہ تنقید نگار کی طرز ترتیب کے متعلق ایک رائے ہے جس سے مؤلف کو اتفاق نہین، چنانچہ سطور سابق مین وہ اس پر روشنی ڈال چکا ہے، اور علامہ ندوی کی رائے کو تائید مین پیش کر چکا ہے، ع وللناس فیما یعشقون مذاھب

(۲) فاضل تنقید نگار نے فرمایا ہے کہ دانیال مکرر ہے اور اسی طرح داؤد بھی، حقیقت یہ ہے کہ پہلی جگہ دانال ہے، اسی کی تشریح دانیال سے کی گئی ہے، کیونکہ دانال معروف نہین، نقاد کو غلط فہمی یون ہوئی کہ کاتب نے دانیال بھی عربی خط مین لکھ دیا، دوسری جگہ حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق اپنے موقع پر دانیال آیا ہے، البتہ داؤد واقعی مکرر ہو گیا ہے، لیکن یہ تکرار کی غلطی ترک کی غلطی سے کم ہے، جس کا ارتکاب صاحب المنجد اور ان کے خوشہ چین صاحب "مصباح اللغات" نے کیا ہے کہ ان دونون کتابون مین یہ لغت ہی موجود نہین، حالانکہ لغت قرآن کریم ہے، پھر اس قسم کے اتفاقی تکرار سے شاید

لغت کا ایک صفحہ بھی نہ پڑھا ہوگا،

(۳) نقاد نے لکھا ہے "صرف تذکیر و تانیث کی وجہ سے الفاظ کو مکرر لکھا گیا ہے، حالانکہ ایک ہی جگہ مذکر و مؤنث کو جمع کیا جا سکتا ہے، دَانِی۔ دَانِیہ۔ دَانِی۔ دَانیہ اسی قسم کی تکرار میں ہیں (؟)، مفرد و جمع ہونے کی حیثیت سے بھی کتاب میں تکرار دیکھنے میں آتی ہے، اراذل اور ارذل کو ایک ہی جگہ جمع کیا جا سکتا تھا۔" اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ مرتب کا اصول یہ رہا ہے کہ اس نے مفرد کے بعد اس کی کثیر الاستعمال جموع مکسرہ اور جہاں ضرورت سمجھی ہے وہاں مذکر کا مؤنث ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے، لیکن چونکہ اس کتاب میں لغات قرآنی کے سلسلہ میں خصوصی اہتمام مدنظر رہا ہے، اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ قرآنی کی تلاش میں کم استعداد طالبین کو بھی کوئی وقت پیش نہ آئے، اس لیے جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے، مذکر و مؤنث اور واحد و جمع ہر ایک کو اپنی جگہ مستقل لغت قرار دیدیا گیا ہے، جیسا کہ اردو کی لغات قرآنیہ کا عام طرز ہے، اسی طرح جو لغات مؤنث و جمع ہونے کی صورت میں بھی اپنی جگہ مستقل لغت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے مذکر و مفرد کے تابع کی حیثیت نہیں رکھتے، ان کو بھی مستقل لغت کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ دَانیہ اور اَرَاذِل قرآن کریم کے لغت ہیں (ومن النخل من طلعها قنوان دانیۃ) (الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای) اسی لیے ان کو باوجود مؤنث اور جمع ہونے کے مستقل لغت کی حیثیت دی گئی، نقاد کی پسندیدہ لغات القرآن (مطبوعہ ندوۃ المصنفین) میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی ہے، اور دالیۃ چونکہ بصورت تانیث بھی مستقل حیثیت رکھتا ہے، اسلیے اسے مستقل لغت قرار دیکر اس کے معنی "رہٹ" علیحدہ لکھ دیے گئے ہیں، نقاد کی محبوب ڈکشنری المنجد میں بھی دالیہ کو مستقل لغت ہی قرار دیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو ص ۲۲۱ [الدالیۃ] الناعورۃ یدیرھا الماء) اور اس کے ترجمہ میں بھی،

(۴) فاضل تبصرہ نگار نے لکھا ہے "بعض الفاظ کی جمع کا ذکر نہیں، مثلاً لفظ مولیٰ — اسی طرح

ابابیل کا مفرد بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، کیونکہ اکثر محققین نے اس کو جمع لا واحد لہٗ میں شمار کیا ہے"

لغات القرآن مطبوعہ ندوۃ المصنفین جس سے غالباً مصنف نے مفرد نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، "اخفش و فراء کے نزدیک جمع بلا مفرد ہے، ابوجعفر رودی کے نزدیک اِبَّالہ واحد ہے، کسائی کے نزدیک ابول واحد ہے، فراء کے نزدیک اگر کوئی دنانیر اور دینار کی طرح ایبالہ کہے تو درست ہو سکتا ہے" اس میں اول تو اختلاف ہے، یہاں تک کہ مختلف اوزان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفرد بیان کیا گیا ہے (؟) پھر فراء کے الفاظ تو دیکھیے، "کہ اگر کوئی کہے یعنی یہ وزن نہیں سنا گیا، لیکن اگر کوئی کہے تو ہو سکتا ہے"۔

جواباً عرض ہے کہ جہاں تک مولیٰ کی جمع کا تعلق ہے واقعی یہ جمع رہ گئی ہے جو نہیں رہنی چاہیے تھی، مصنف اس گرفت پر فاضل نقاد کا شکر گذار ہے، مگر اِبَّالہ کے واحد ہونے کا انکار اور ابابیل کی جمع لا واحد لہ ہونے پر اصرار ناقابلِ قبول ہے، نقاد نے بڑی اہمیت کے ساتھ لغات القرآن (مرتبہ ندوۃ المصنفین دہلی) کی تشریح اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہے، کاش وہ تشریح مذکور کے حوالے بھی نقل کر دیتے، تاکہ میں اس کی اہمیت کو سمجھ سکتا، کیونکہ اس وقت میرے پاس یہ کتاب نہیں ہے، (نقاد فاضل نے خدا جانے یہ کیونکر سمجھ لیا کہ ابابیل کا مفرد اِبَّالہ میں نے لغات القرآن (مرتبہ ندوۃ المصنفین) سے ہی نقل کیا ہوگا، حالانکہ میرے پاس نقل کرنے کے واسطے وہ کتابیں موجود ہیں جن پر خود کتاب مذکور کی بنیاد اٹھائی گئی ہے، مثلاً نجوم الفرقان۔ دلیل الحیران۔ مفتاح کنوز القرآن۔ مصباح الفرقان وغیرہا۔ بہرحال جیسا کہ میں مقدمۂ کتاب میں لکھ چکا ہوں، قرآن کریم کے لغات کی تشریح کے سلسلہ میں میں نے قرآن کریم کی مستند ترین لغت مفردات القرآن (امام راغب اصفہانیؒ) اور تحقیقات لفظیہ کے لحاظ سے معتبر ترین تفاسیر انوار التنزیل قاضی بیضاوی اور کشاف زمخشری پر اعتماد کیا ہے، چنانچہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں وقولہ تعالیٰ وارسل علیھم طیرا ابابیل ای متفرقۃ کقطعات ابل الواحد اِبَّیل (مفردات القرآن ص ۶) اور قاضی بیضاوی لکھتے ہیں وارسل علیھم طیرا ابابیل۔

جماعات - جمع ابالۃ وھی الحزمۃ الکبیرۃ شبہت بہا الجماعۃ من الطیر فی تضامہا وقیل لا واحد لہا کعبادید وشماطیط (بیضاوی ص ۴۴۰) یعنی امام راغبؒ ابابیل کا مفرد ابیل کو قرار دیتے ہیں، اور قاضی بیضاوی ابابیل کا مفرد ابالۃ لکھتے ہیں اور ابابیل کے جمع "لا واحد لہ" ہونے کو قول ضعیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ اس کو لفظ "قیل" سے ذکر کرتے ہیں، جو اس کے ضعف پر دال ہے، تو پھر اگر گنہگار مرتب بیان اللسان نے ہی دونوں محققین کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھدیا: ابالہ۔ ابیل (پرندوں، گھوڑوں وغیرہ کا گروہ) جھنڈ ج ابابیل" تو کیا خطا ہوئی؟

(۵) لفظ حدث کے سلسلہ میں فاضل نقاد نے اپنے اسی اعتراض کو پھر دہرایا ہے، جس کا جواب نمبر ا کے سلسلہ میں دیا جا چکا ہے، البتہ اس ضمن میں یہ فرمانا صحیح ہے کہ اَحادیث بمعنی کہانیاں کا واحد اُحدوثۃ ہے، دراصل مسودہ میں یوں تھا" احادیث کہانیان، باتیں و:- اُحدوثۃ - حدیث"۔ کاتب نے اُحدوثۃ چھوڑ دیا، اور یہ ترک وحک لیتھو کتابت وطباعت کے لوازم میں سے ہے، جس سے بڑے بڑے ذمہ دار اداروں کے مطبوعہ کلام مجید تک محفوظ نہیں،

فاضل نقاد نے "جدید الفاظ یا جدید استعمال" کا عنوان قائم کرکے بیان اللسان کے جدید الفاظ پر تنقید کی ہے، غالباً آپ کی مراد جدید الفاظ اور جدید استعمال سے "معرب ودخیل اور مولد الفاظ" ہیں، اس موضوع پر بعض مستقل کتابوں کے علاوہ، شیخ ابراہیم یازجی نے اپنے سلسلہ مضامین مطبوعہ الضیاء (مصر) میں اور جناب مولانا مسعود عالم ندوی نے لغات جدیدہ کے مقدمہ میں خاصی مستوعب بحث کی ہے، جو غالباً فریقین کی نظر سے گذر چکی ہوگی، لہٰذا ہمیں فاضل نقاد کی اس رائے سے قطعاً اتفاق ہے کہ "کسی ہندی یا فارسی کو جو چند ماہ مکہ یا مصر میں رہ چکا ہو، کسی عجمی لفظ کو عربی میں استعمال کرنے یا کسی عربی لفظ کو جدید معنی میں منتقل کرنے کا حق نہیں ہے" بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی ایسے صاحب کو معرب ومولد کی صحت وعدم صحت کے فیصلہ کرنے کا بھی حق نہیں ہے، ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ بنگالی طلبہ

جو ہمارے اطراف میں طلب علم کے لیے آتے ہیں اور برسوں دہلی اور لکھنؤ کے عربی مدرسوں میں مقیم رہتے ہیں، چند جملے بھی اردو زبان کے صحیح نہیں بول سکتے، غلط وصحیح اور مبتذل وفصیح کی تمیز تو بڑی بات ہے، یہی حال ان ہندیوں کا ہے، جو مصر وحجاز کا چکر لگا کر چلے آتے ہیں، ان کو بھی عربی زبان ولغت میں اجتہاد کا حق حاصل نہیں ہونا چاہیے،

شکر ہے کہ نقاد محترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی کی کتاب "لغات جدیدۃ" کو اس باب میں مستند تسلیم کرتے ہیں، اور اس طرح ہماری آیندہ بحث مختصر ہو جاتی ہے،

(۱) فاضل نقاد نے اس سلسلہ میں سب سے پہلا اعتراض "مواعید - ٹائم ٹیبل" پر کیا ہے، آپ نے لکھا ہے کہ "مواعید تو میعاد کی جمع ہے، جس کے معنی خود فاضل مصنف نے غ۲ میں (میعاد وعدہ کی جگہ - وعدہ کی مدت، وعدہ) بیان کیے ہیں، ٹائم ٹیبل کے لیے جدول الاوقات آتا ہے، یا پھر برنامج جو برامج مستعمل ہے، لفظ مواعید تنہا ٹائم ٹیبل کے معنی نہیں ادا کرتا بلکہ مواعید وصول القطارات" کا لفظ اپنے لغوی قدیم معنی کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل کا مفہوم ادا کرتا ہے۔"

گذارش ہے کہ مواعید واقعی میعاد کی جمع ہے، اور اس کے اصل معنی "اوقات وعدہ" ہیں، لیکن اپنے سابق معنی کی مناسبت سے جدید استعمال میں ٹائم ٹیبل کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے، مولّد کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ لفظ عربی ہو اور کسی مناسبت سے قدیم معنی کی بجائے جدید معنی میں استعمال کیا جانے لگا ہو، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی کی لغات جدیدہ میں ہے (مواعید ٹائم ٹیبل - اوقات مقررہ - اس کا واحد میعاد ہے، اصلی معنی وقت وعدہ)۔ مواعید وصول القطارات تو ریلوے ٹائم ٹیبل کو کہیں گے، صرف ٹائم ٹیبل کے لیے تو مواعید آئے گا، "جدول الاوقات" کا لفظ اپنی مرکب صورت میں کسی مستند جدید لغت میں نظر نہیں آیا، رہا برنامج، تو یہ فہرست، بجٹ اور بیلنس شیٹ کے معنی میں آتا ہے، ملاحظہ ہو لغات جدیدہ ص۲۳ اور الفرائد الدریہ ص۱۳۱ ٹائم ٹیبل

کے معنی مین نہین ،

(۲) میزان الحر والبرد - تھرمامیٹر کو فاضل نقاد نے کسی مترجم صاحب کی جدت قرار دیا ہے اور صحیح لفظ مقیاس الحرارت بتایا ہے، حالانکہ معاملہ برعکس ہے، چنانچہ میزان الحر والبرد لغات جدیدہ (ص۱۹۱) اور الفرائد الدریہ (ص۶۶۸) مین موجود ہے، اور مقیاس الحرارۃ کسی مین نہین ۔

(۳) م - ع : ایم اے پر بھی اعتراض ہے، جواب یہ ہے کہ م - ع دراصل منتہی العلوم کا مخفف ہے آپ آرٹ اور عارٹ کے چکر مین کہان پڑ گئے، لغات جدیدہ کے فاضل مولف نے بھی اس لفظ کو درج کیا ہے (ملاحظہ ہو ص۱۹۱)۔

(۴) مواصلہ کے متعلق اعتراض البتہ صحیح ہے کہ یہ بمعنی ذرائع آمد و رفت بصورت جمع استعمال ہوتا ہے، اسی طرح مینا البحری مین بھی الف لام رہ گیا ہے ("قضائی" کا لفظ ترجمہ سے متعلق ہے، لغت سے نہین) اگرچہ بطور تاویل اس ترکیب کو اضافت توصیفی کہا جاسکتا ہے، نیز اس کی "ہنادیت" "مقیاس الحرارت" ہی کی ہم قوم ہے، تاہم مؤلف اس تعقب کے لیے فاضل نقاد کا منت کش ہے۔

آخر مین فاضل نقاد سے یہ شکایت ہے کہ انھون نے غلط بنیاد پر گنہگار مولف کے اخلاق و نیت پر طنز کیا اور لکھا کہ قاضی صاحب نے کہین بھی ..... جذباتی معنی سے درگزر نہین کیا، اور لفظ کے دوسرے غیر جذباتی معنی نظرانداز کر گئے، جبکہ جذباتی معنی سے مختلف لغوین اور مصنفین چشم پوشی کر جاتے ہین، ممکن ہے قاضی صاحب اپنی تالیف نوجوان طبقہ مین مقبول بنانا چاہتے ہون، ملاحظہ ہو قعو ص۲۲۶ جس کے معنی المنجد نے یون بیان کیے ہین، (قَعِيَ يَقْعَى قَعًا) اشرفت ارنبة انفه ثم مالت نحو القصبة (القعو) ص۶۹۲" (اس ایک سطر کے عربی حوالہ مین تین غلطیان ہین) جہانتک لغت کا تعلق ہے ایک لغوی کا فرض ہے کہ وہ لغت کے معنی بیان کرے خواہ جذباتی ہون یا غیر جذباتی جس طرح ایک تشریح الاعضاء کے پروفیسر کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کے سامنے ہر ہر حصہ جسم کی تشریح پیش کرے، خواہ وہ اعضاء مستورہ ہی کیون نہ ہون، یہ قارئین اور طلبہ کا کام ہے کہ

اپنے احساسات پر قابو رکھین اور اپنے جذبات کو زود اشتعال نہ بننے دین، لہذا قعو کے معنی جو کچھ تھے، وہ لکھدیے گئے، المنجد نے اس لفظ کو لیا ہی نہین، المنجد مین قَعِيَ يَقْعَى قعاً کے معنی "ناک کے بانسہ کا بلند ہونے کے بعد جھکنا" لکھے ہین، اگر قعا يَقعُو قعوا (الفحل او الطائر) کے معنی لکھے جاتے تو وہی لکھے جاتے جو مولف بیان اللسان یا صاحب منتہی الارب نے لکھے ہین، افسوس ہے کہ فاضل تنقید نگار غلط فہمی سے دونون کو ایک سمجھ گئے اور اس غلط فہمی کی بنیاد پر ایک غلط رائے قائم کرلی، ورنہ اگر وہ اس کی پوری تحقیق کر لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ "موج نیل" کے مترجم نے تو میدان ادب مین ترکتازی کرتے ہوئے بھی اخلاق کی حدود سے تجاوز نہین کیا، اور شعر و سخن کی رنگینیون مین کھو کر بھی دامان تہذیب کو داغدار نہین ہونے دیا، واللہ یعصمنا وایاکم۔

اس شکایت کے ساتھ، خاکسار مولف بیان اللسان فاضل تنقید نگار کا بیحد شکرگذار ہے کہ انھون نے اپنے مضمون کے شروع اور آخر مین، کتاب اور صاحب کتاب کے متعلق کلمات تحسین ادا فرمائے ہین، اور سب سے زیادہ یہ کہ اس عاجز کی اس حقیر خدمت کو صدقہ جاریہ بنانے کی بارگاہ رب العزت مین دعا فرمائی ہے، یہ گنہگار بھی فاضل تنقید نگار کے لیے دعا خیر پر ان سطور کو ختم کرتا ہے،

اردو کا سب سے پہلا اخبار

"جام جہان نما"؟

از جناب مرزا صادق صاحب

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ بمبئی کے سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب" بابتہ اپریل سنہ [illegible]

مین جناب حامد اللہ افسر پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا ایک مضمون اردو کے سب سے پہلے اخبار کے بارے مین شائع ہوا ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ادارہ کے تقاضون سے تنگ آکر پروفیسر صاحب نے مضمون مذکور سپرد قلم کر دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے رسالہ کے لیے ایک پروفیسر کے قلم سے ایسا مضمون نکلتا، جو حوالون سے بالکل خالی ہے، اس کمی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کے لیے جو اردو اخبارات کی ابتدائی تاریخ سے دلچسپی رکھتا ہو، مضمون مذکور تشنہ رہ جاتا ہے، پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ "جام جہان نما" (فارسی) کے اردو والے حصہ کو اخبار کا درجہ دینا چاہیے، ان کی یہ رائے صحیح نہین معلوم ہوتی۔

نواب زادہ اے۔ ایف۔ ایم عبد العلی بنگال کی ایک ممتاز ہستی تھے، ان کا گہرا تعلق امپریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ سے رہا ہے، اور اس دفتر کی دستاویزات اور کاغذات کا انھون نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، ابتدائی دور کے فارسی اخبارات کے بارے مین ان کا ایک مضمون انگریزی رسالہ مسلم ریویو بابت جنوری تا مارچ ۱۹۳۷ء مین شائع ہوا تھا، وہ مضمون تھا تو فارسی اخبارات کے بارے مین مگر اس مین ضمنی طور سے اردو اخبارات کا بھی ذکر آگیا ہے، مین نے مسلم ریویو تلاش کیا مگر نہ ملا، لکھنؤ کے سید شہنشاہ حسین رضوی نے اس مضمون کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو رسالہ "خیالستان" لاہور بابتہ اپریل ۱۹۳۰ء اور پھر "خیابان" لکھنؤ دسمبر ۱۹۳۳ء مین شائع ہوا تھا، مگر افسوس کہ وہ پرچے بھی دستیاب نہ ہو سکے، البتہ مسٹر عبد اللہ یوسف علی نے اپنی کتاب "انگریزی عہد مین ہندوستانی تمدن کی تاریخ" (ص ۲۴۴) مین سید شہنشاہ حسین والے مضمون سے استفادہ کیا ہے، ان کو بھی مسلم ریویو دستیاب نہ ہو سکا، آخر کافی کد و کاوش کے بعد اصل مضمون تو نہین مل سکا البتہ اس کا اتنا اقتباس حاصل ہو گیا جو سطور ہذا کے لیے ضروری تھا، ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کی شہرۂ آفاق کتاب "اردو زبان کے قدیم شعراء" کے صفحہ ۱۶۷ پر نواب زادہ عبد العلی کے مضمون کا حسب ذیل ٹکڑا نقل کیا گیا ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے، نواب زادہ صاحب تحریر فرماتے ہین:

> "اٹھارھوین صدی کے اواخر مین کچھ فارسی اخبارات جاری ہوئے، لیکن تھوڑے تھوڑے عرصہ چل کر بند ہو گئے، اس لیے ان کے نمونے اب دستیاب نہین ہوتے ہین، سب سے پرانا اخبار (فارسی) جس کے نمونے دستیاب ہوئے ہین "جام جہان نما" تھا، اس کے پرچے گورنمنٹ آف انڈیا کے امپریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ مین محفوظ ہین، یہ ہفتہ وار ۸ صفحے کا اخبار کلکتہ سے مئی ۱۸۲۲ء کے لگ بھگ جاری ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے پہلے پانچ سال مین اس کو گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی، کیونکہ شاہی نشان اس کے ٹائٹل پر چھپتا تھا، اخبار کی زندگی کے دوسرے سال ایڈیٹر نے اخبار مذکور مین ایک اردو ضمیمہ لگانا شروع کیا، جس کی بابت اخبار مین انگریزی زبان مین نوٹس شائع کیا گیا۔"

اس کے بعد نواب زادہ نے اس نوٹس کو بھی درج مضمون کر دیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

> "جام جہان نما کا اڈیٹر با دب پبلک سے اعلان کرتا ہے کہ یورپین قارئین کی خاطر اخبار کو دلچسپ اور سود مند بنانے کے لیے آیندہ ایک ورقی ضمیمہ خالص ہندوستانی یا اردو زبان

مین قیمت مین چار آنہ فی پرچہ یا دو روپیہ ماہوار کے معمولی اضافہ سے جاری کیا جائے گا"

پھر نواب زادہ صاحب رقمطراز ہین:

"اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ضمیمہ فارسی اخبار کا اردو ترجمہ ہوتا تھا، اس مین صرف دلچسپ کہانیان اور عجیب و غریب اطلاعات ہوتی تھین، چند ہفتون کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا، اور تاریخ عالمگیری فارسی کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ شائع ہونے لگا، اس ضمیمہ مین کبھی کبھی مسٹر ڈی کاسٹا کی اردو غزلین بھی شائع ہوتی تھین"۔

اقتباس بالا سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے،

(۱) "جام جہان نما" کے ایک ورقی اردو ضمیمہ کو اخبار نہین کہا جاسکتا، وہ ضمیمہ تو ان انگریزون کے لیے شائع کیا جاتا تھا جو یا تو اردو سیکھتے تھے یا اردو مین اپنی مہارت قائم رکھنا چاہتے تھے، ضمیمہ کے ابتدائی دور مین بھی خبرین نہین ہوتی تھین، اور کچھ عرصہ بعد تو وہ محض تاریخ عالمگیری انگریزی کا اردو ترجمہ ہوتا تھا، غالبًا ایسا اس لیے کیا گیا ہوگا کہ انگریزی تاریخ کو سامنے رکھکر اردو ترجمہ پڑھا جاسکے،

(۲) "جام جہان نما" کا اجرا بقول نواب زادہ مئی ۱۸۲۲ء کے لگ بھگ ہوا، حالانکہ پروفیسر صاحب اس کی تاریخ اجراء ۲۸ مارچ ۱۸۲۲ء بتلاتے ہین، افسوس کہ پروفیسر صاحب نے یہ نہین تحریر فرمایا کہ ان کو یہ تاریخ کہان سے معلوم ہوئی، البتہ قیاس یہ کہتا ہے کہ غالبًا یہ تاریخ صحیح ہوگی،

(۳) پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ "جام جہان نما" فارسی کے ساتھ ہی اس کا اردو والا حصہ بھی شائع ہونے لگا، حالانکہ نواب زادہ صاحب کے نزدیک یک ورقی اردو ضمیمہ کا اضافہ دوسرے سال شروع ہوا یعنی ۱۸۲۳ء مین،

(۴) پروفیسر صاحب فرماتے ہین کہ نصف اخبار فارسی مین اور نصف اردو مین ہوتا تھا، مگر نواب زادہ کہتے ہین کہ فارسی اخبار چار ورق مین اور اردو ضمیمہ ایک ورق مین ہوتا تھا،

بہرحال اگر نواب زادہ کی تحقیق صحیح ہے تو جام جہان نما کے اردو ضمیمہ کو کسی نوع سے اخبار نہین کہا جاسکتا، امید ہے پروفیسر صاحب اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالین گے، تاکہ اس مضمون سے دلچسپی رکھنے والے امور مذکورۂ بالا کے متعلق صحیح معلومات سے مستفیض ہوسکین،

پروفیسر صاحب نے دوسرے نمبر پر شمس الاخبار کلکتہ کو رکھا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ اس کا نصف حصہ بھی اردو مین شائع ہوتا تھا، مگر کسی حوالہ کے نہ ہونے سے اس امر کی صحت کی جانچ نہین کی جاسکتی، ممکن ہے اس کا اردو ضمیمہ بھی ایسا ہی ہو جیسا جام جہان نما کا تھا، ابتدائی دور کے کلکتہ کے فارسی اخبارات مین سلطان الاخبار، دبدبۂ سکندری وغیرہ کے نام تو دیکھنے مین آئے ہین، مگر شمس الاخبار کا نام نظر سے نہین گذرا، امید ہے پروفیسر صاحب اس گرہ کو بھی کھولین گے،

جو لوگ اردو اخبارات کی ابتدائی تاریخ کی چھان بین مین مصروف ہین وہ ابتک سوائے مولوی محمد باقر کے "اردو اخبار" کے کسی ایسے اخبار کو تلاش نہ کرسکے، جو اس سے قبل جاری ہوا ہو، اور صحیح معنون مین اخبار کہلائے جانے کا مستحق ہو، حالانکہ اس زمانہ مین خاصکر کلکتہ وغیرہ مین اسباب کچھ ایسے مہیا تھے جن سے گمان یہ ہوتا ہے کہ "اردو اخبار" سے قبل کا بھی کوئی نہ کوئی اخبار ہونا چاہیے،

پروفیسر صاحب نے ملکی زبانون مین اولیت بنگالی ہفتہ وار "سماچار درپن" کو دی ہے، جو ۱۸۱۸ء مین سیرامپور کے مشنریون نے جاری کیا تھا، لیکن مسٹر عبد اللہ یوسف علی نے اپنی مذکورۂ بالا کتاب مین (ص ۱۲۵) ہشل کمار ڈے کی کتاب بنگالی ادب کی تاریخ (ص ۲۳۶) کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ۱۸۱۶ء مین "بنگال سماچار" گنگا دھر بھٹاچاریہ کی ادارت مین جاری ہوا، اور جو دو سال چلکر ۱۸۱۸ء مین بند ہوگیا، مسٹر عبد اللہ یوسف علی نے فارسی کو بھی اس زمانہ کی ملکی زبان قرار دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

اخبارات کی طباعت کے متعلق اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ فارسی اگر ۱۷۸۴ء سے پہلے نہیں تو اس سنہ میں ضرور طباعت کے لیے استعمال کی گئی، کلکتہ گزٹ کے پہلے ہی نمبر (۴ مارچ ۱۷۸۴ء) میں ایک فارسی کالم تھا، جو ٹائپ کے حروف میں چھپا ہوا تھا، اس کالم کا عنوان یہ تھا خلاصہ اخبار دربار معلی بہ دار الخلافت شاہجہان آباد" یہ مغل شاہنشاہ کے دربار میں "واقعہ نویس" کا روزنامچہ تھا جس کے روزمرہ کے واقعات فارسی کے مقابل کالم میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوتے تھے، یہ سلسلہ کئی نمبروں تک ہفتہ وار جاری رہا، مذکورہ روزنامچہ کے مضامین کورٹ سرکلر کے مضامین سے کچھ زیادہ ہوتے تھے، اس میں مختلف قسم کی عام خبریں بھی ہوتی تھیں، میرے خیال میں ہندوستان کی ایک مروجہ زبان میں یہ پہلا مطبوعہ اخبار تھا، جس طرح کلکتہ گزٹ نیم سرکاری انگریزی اخبار تھا، اسی طرح یہ فارسی کالم بھی دہلی کا نیم سرکاری روزنامچہ سمجھا جا سکتا ہے"،

پروفیسر صاحب نے اخبار "کوہ نور" لاہور کا بھی ذکر کیا ہے، اردو اخبارات کی تاریخ میں اس اخبار کا درجہ بہت بلند ہے، اس لیے نہیں کہ اس کا معیار بلند تھا، یا کسی خاص پالیسی کا پابند تھا، بلکہ اس لیے کہ اس نے پبلک میں اخبارات سے دلچسپی پیدا کی، اور بہت سے جرنلسٹ پیدا کیے، نیز پچاس سال سے زائد جاری رہا، زیادہ تر اہل نظر متفق ہیں کہ یہ اخبار ۱۸۵۰ء میں جاری ہوا، مگر مولانا احسن مارہروی نے اپنی کتاب تاریخ نثر اردو میں اجراء کا سال ۱۸۴۹ء تحریر کیا ہے، معلوم نہیں انھوں نے یہ سال کہاں سے لیا، لیکن وہ محتاط اہل قلم میں سے تھے، ممکن ہے کہ ان کی اطلاع صحیح ہو،

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل نظر کی توجہ ایک "آگرہ اخبار" کی طرف مبذول کیجائے، میں نے ایک "آگرہ اخبار" ارادۃً لکھا ہے، کیونکہ اس نام کے کئی اخبارات کا ذکر مختلف کتب و رسائل میں میری نظر سے گذرا ہے،

مولانا احسن مارہروی اپنی کتاب "تاریخ نثر اردو" کے صفحہ ۱۰۴ پر ایک "آگرہ اخبار" کا ذکر کرتے ہیں، حجم ۸ صفحہ تحریر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اخبار باہتمام بابو چھبی لال ۱۸۶۳ء میں نکلنا شروع ہوا، انھوں نے اخبار مذکور کا نمونہ بھی دیا ہے، جو غالباً ۱۸۶۲ء کا ہے،

۱۸۸۸ء میں ایک کتاب بنام "اختر شاہنشہی" لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی، یہ کتاب اب بہت کمیاب ہے، یہ اس زمانہ کے اور اس زمانہ سے قبل کے اخبارات کی فہرست ہے، کتاب مذکور میں ایک دوسرے "آگرہ اخبار" کا ذکر حسب ذیل ہے،

"آگرہ اخبار، عشرہ وار، محلہ نئی بستی، مالک مولوی خواجہ یوسف علی صاحب سکرٹری کمیٹی قانون آگرہ و مدرس اول عربی آگرہ گورنمنٹ کالج مہتمم منشی خواجہ تجمل حسین، اجراء جنوری ۱۸۶۹ء

لیکن علامہ وتاتریا کیفی نے اپنے بے مثل مضمون "نصف صدی قبل کے اخبارات" مندرجہ رسالہ "اردو" بابت اپریل ۱۹۳۵ء میں آخر الذکر "آگرہ اخبار" کے اجراء کا سال ۱۸۶۵ء تحریر کیا ہے،

گارسن دی تاسی کے ابتدائی خطبات میں آگرہ کے کئی اخبارات کا ذکر ملتا ہے، لیکن وہ کسی "آگرہ اخبار" کا ذکر نہیں کرتے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ شاید ان تک اس اخبار کی اطلاع یا نمونہ نہ پہنچا ہو، لیکن علامہ کیفی کے مضمون مذکورہ بالا میں ۱۸۵۰ء کے قریب کے اخبارات کا ذکر ہے، لیکن کسی "آگرہ اخبار" کا ذکر نہیں ہے، اس لیے یہ قیاس غالباً صحیح ہو کہ ۱۸۵۰ء کے قریب زمانہ میں کوئی "آگرہ اخبار" جاری نہ تھا، البتہ ۱۸۶۷ء کے خطبہ میں گارسن دی تاسی نے "اردو اخبار آگرہ" کا ذکر کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے مدیر بابو بالگوبند ساکن متھرا تھے، ممکن ہے کہ گارسن دی تاسی نے اس "آگرہ اخبار" کو "اردو اخبار آگرہ" لکھ دیا ہو، جس کا ذکر مولانا احسن مارہروی نے کیا ہے، "اختر شاہنشہی" میں جو قریب زمانہ کی تصنیف ہے، کسی "اردو اخبار آگرہ" کا ذکر نہ ہونا میرے خیال کو قدرے تقویت پہنچاتا ہے،

لیکن ایک "آگرہ اخبار" اور تھا، جس کا ذکر ولیم ڈگبی نے کلکتہ ریویو ۱۸۵۳ء میں اپنے مضمون ہندوستان

اور لنکا کے دیسی اخبارات" (صفحہ ۵۶-۳) مین کیا ہے، ان کے مضمون سے کئی اقتباسات پیش کر کے مین ا
نتائج عرض کرون گا، اس مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈگبی کے زمانہ مین دیسی اخبارات کی ابتدا
مسئلہ زیر بحث تھا، اور مختلف گروہ کسی ایک اخبار کو اخبارات کا باباآدم تبلاتے تھے، وہ اپنا مضمو
یون شروع کرتے ہین:

"شاید یہ امر موجب تعجب نہ ہو، گو موجب افسوس ضرور ہے کہ دیسی اخبارات کی ابتدا کے عالیہ
مسئلہ کے متعلق متضاد بیانات اس بابت کیے جاتے ہین کہ ابتدا کا سہرا کس کے سر باندھا جائے،
غلط اطلاعات شائع کی گئی ہین، اور ابتدا کی بابت کہا جاتا ہے کہ ۱۸۳۳ء مین انڈین میڈیکل
سروس کے افسر ڈاکٹر جان ہنڈرسن نے ایک پرانے پریس کی مدد سے ایک اشتہاری پرچہ
"آگرہ اخبار کا پیشرو" شائع کیا، جو ہندوستان کا سب سے پہلا دیسی اخبار قرار دیا گیا، ہو سکتا ہے
کہ وہ ممالک مغربی شمالی کا سب سے پہلا دیسی اخبار ہو، مگر یقیناً وہ تمام ہندوستان کا
پہلا اخبار نہین ہو سکتا۔"

اس کے بعد ڈگبی صاحب نے سیرام پور کے مشنریون کے اخبار سماچار درپن کا ذکر کر کے کہ
ہندوستان مین اولیت ان کے اخبار کو دی ہے، پھر انھون نے مارکوئس آف ہیسٹنگز کی دیسی اخ
کی قدردانی کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اس رائے کا حوالہ دیا ہے، جس مین انھون نے ارباب اختیا
کو رائے عامہ کا خیال رکھنے کا مشورہ دیا ہے، مگر ولیم ڈگبی کی رائے مین مشرقی ممالک میں حاکم ک
خلاف اظہار رائے مشکل امر تھا، اس سلسلہ مین وہ لکھتے ہین:

"ڈاکٹر ہنڈرسن کے اخبار کے بارے مین کہا جاتا ہے کہ چند سال ادارت کے فرائض انجام
دینے کے بعد انھون نے یہ فرائض ایک مسلمان کو تفویض کیے، جس کو انھون نے نہ صرف خبرون
کا ترتیب دینا اور مناسب اقتباسات کا نا سکھلایا تھا، بلکہ روزانہ کے واقعات اور ارباب اختیار

کے افعال پر رائے زنی اور نکتہ چینی کرنے کی بھی تعلیم دی تھی، اس پر لوگون نے تشویش کا اظہار کیا
اور مصائب کی پیشنگوئی یہ کہتے ہوئے کی کہ یہ کون شخص ہے جو حاکم کی رائے کے خلاف اپنی رائے دیتا ہے؟"

اقتباس بالا سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہنڈرسن کا اخبار جلد ہی محض "اشتہاری پرچہ" نہ رہا، بلکہ صحیح معنون
مین اخبار بن گیا، آگے چل کر دیسی اخبار کا ذکر صوبہ وار کیا ہے، اور "ممالک مغربی وشمالی اور پنجاب" کی سرخی کے
تحت سب سے پہلے ان اخبارات کا ذکر کیا ہے، جو کسی بڑے انگریز کے نام پر جاری کیے گئے تھے، جیسے میور گزٹ
وغیرہ، پھر اس حصۂ ملک کے اخبارات کے طرز تحریر کا ذکر کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس زمانہ کے اخبارات
نہ کوئی اثر رکھتے تھے اور نہ کوئی پالیسی، اس سلسلہ مین ڈگبی رقم طراز ہین:

"گو ممالک مغربی و شمالی کے دیسی اخبارات کی ابتدا ۱۸۳۳ء سے ہوئی جبکہ "آگرہ اخبار"
جس کا ذکر آچکا ہے جاری کیا گیا، تاہم پریس نہ تو اپنی بنیادون کو مضبوط کر سکا نہ اثر پیدا کر سکا،
اور نہ عوام کی توجہ اپنی طرف منعطف کر سکا۔"

مین نے ڈگبی کے مضمون سے تین اقتباسات اوپر دیے ہین، ان سب کو اگر یکجا طور سے
پڑھا جائے تو کئی نتیجے برآمد ہوتے ہین:

(۱) ۱۸۷۷ء (جب مضمون مذکور لکھا گیا) سے قبل دیسی اخبارات کی ابتدا کا مسئلہ غالباً
انگریزی پریس اور رسائل مین زیر بحث تھا، اس لیے اس زمانہ کے متعلقہ لٹریچر کا اگر مطالعہ کیا جائے
تو کوئی مفید مطلب بات مل سکتی ہے، ممکن ہے کہ وہ مضمون ہی دستیاب ہو جائے جس مین آگرہ اخبار
کے دیسی اخبارون کے باباآدم ہونے کا دعویٰ پیش کیا گیا۔

(۲) "آگرہ اخبار" کی ابتدا ۱۸۳۳ء سے ہوئی، شروع مضمون مین تو ڈگبی نے اس کو محض
"اشتہاری پرچہ" اور "آگرہ اخبار" کا پیشرو بیان کیا ہے، لیکن آخری اقتباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے،
آگرہ اخبار" کی ابتدا ۱۸۳۳ء سے ہوئی،

(۳) اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ابتدا "اشتہاری پرچہ" سے ہوئی، تو بھی دوسرے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی "اشتہاری پرچہ" نے اچھے خاصے اخبار کی صورت اختیار کر لی، اگر یہ نتائج صحیح ہین تو "آگرہ اخبار" کے سر ابتدا کا سہرا جاتا ہے، اور ابتدا کا سال ۱۸۳۱ء قرار پاتا ہے، یعنی مولوی محمد باقر کے "اردو اخبار" سے کئی سال قبل اردو کی صحافت کی ابتدا، قرار پاتی ہے، امید ہے کہ پروفیسر صاحب نیز دیگر صاحبان اس مضمون پر مزید روشنی ڈالین گے، اور بتلائین گے کہ "آگرہ اخبار" کا اولیت کا دعوی کہان تک تحقیق کی کسوٹی پر صحیح اترتا ہے،

دار المصنفین کی نئی کتاب

تاریخ اندلس

اندلس پر اردو مین بکثرت مضامین اور کتابین لکھی گئین، اور بکثرت عربی و انگریزی کتابون کا ترجمہ بھی کیا گیا، لیکن پھر بھی ایک محققانہ اور مستند کتاب کی ضرورت باقی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے، جو درحقیقت دار المصنفین کے پیش نظر سلسلۂ تاریخ اسلام کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کی متعدد جلدین ہین، جو بتدریج شائع ہون گی، اس جلد مین شروع مین اندلس کے طبعی و تاریخی جغرافیہ، اس کی قدیم تاریخ، وہان کے باشندون اور مختلف حکومتون کی تفصیل، پھر اندلس پر مسلمانون کے حملون اور ان کے فتوحات کا بیان ہے، پھر فاتح اندلس طارق ابن زیاد ۹۳ھ ۷۱۱ء - ۱۱۲ھ ۷۳۰ء سے لے کر عبد الرحمن اوسط ۲۰۶ھ ۸۲۲ء تک وہان کی سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ قلم بند ہے،

(مرتبہ سید ریاست علی ندوی) قیمت :-

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد

کی

ایک جھلک

ڈاکٹر بینی پرشاد، ایم، اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی، ایس، سی (لندن) الٰہ آباد یونیورسٹی مین سیاسیات کے صدر تھے، وہ اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے ہندوستان کے علمی حلقہ مین بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، انھون نے انگریزی مین کئی کتابین لکھین، لیکن اُن کی تمام تصانیف مین سب سے زیادہ مشہور اور مقبول "ہسٹری آف جہانگیر" ہے، جس کے چوتھے باب کا کچھ حصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، وہ رقمطراز ہین:

مذہبی آزادی ہندوستان مین کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کے باشندون کو مذہبی فرائض انجام دینے اور عبادت کرنے مین آزادی ہو، ہندوستان کے مسلم حملہ آورون نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کر لیا، اور اپنی حکمت عملی اسی کے مطابق بنائی، آٹھوین صدی مین محمد بن قاسم نے سندھ مین اپنی حکومت کا جو نظم و نسق قائم کیا، وہ اعتدال و رواداری کی روشن مثال ہے، تیرہوین صدی مین شمالی ہند کے فاتحون نے ایک مختلف پالیسی پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن اس پالیسی سے اُن کو مایوسی ہوئی، پندرہوین صدی مین مذہبی ایذا رسانی کا دور ختم ہو گیا، سولھوین اور سترہوین صدی مین ہندوستان نے مجموعی حیثیت سے مذہبی آزادی کی ایسی مثالین پیش کین، جو اس زمانہ مین یورپ مین

بھی نہیں ملتی ہیں، اکبر کی طرف مذہبی رواداری کے سارے اوصاف غلط طریقہ سے منسوب کر دیئے گئے ہیں، اس کا کام یہ ہے کہ اُس نے اپنے دور کی اسپرٹ کو محض عملی جامہ پہنایا، اس زمانہ میں جو صحیح پالیسی ہونی چاہئے تھی، اسی کو اُس نے انجام تک پہنچا دیا، اس دور میں ایسی ہی پالیسی کی ضرورت تھی، اور حکومت کا وجود اسی قسم کی حکمت عملی پر قائم رہ سکتا تھا حتی کہ اورنگ زیب نے بھی اس طرز عمل میں غیر معمولی تغیر پیدا کرنے سے پرہیز کیا، جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں یورپین سیاح برابر آتے رہے، جنھوں نے اس کی شہادت دی ہے کہ اس ملک میں مذہبی رواداری مکمل طور پر تھی،

معاشرتی آزادی

مغل حکومت کی مقبولیت کا ایک سبب معاشرتی زندگی میں آزادی بھی تھا، اگر وہ لوگوں کے معاشرتی طور طریقوں کو درہم برہم کر دیتی تو چوبیس گھنٹے بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی، معاشرت میں کچھ اصلاح ضرور ہوئی، مگر وہ لوگوں نے خود کی، حکومت کی مداخلت کسی حال میں برداشت نہیں کیجاتی تھی، اکبر نے ستی کی وحشیانہ رسم کو روکنے کی کوشش کی، جبری بیوگی کے رواج کے خلاف بھی اقدام کیا، بچپن کی شادی اور تعدد ازدواج کی بھی ممانعت کی، لیکن اُس نے ان امتناعی احکام و قوانین کو جو بہت ہی دانشمندانہ اور ہمدردانہ تھے کبھی تلوار کی نوک سے نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی، بعض نومسلم خاندانوں میں رواج تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا، جہانگیر نے اس رواج کو بڑی سختی سے روک دیا، لیکن اُس نے ہندوؤں کی ستی کو روکنے میں یہ سختی اختیار نہیں کی، وہ صرف اس کی مخالفت ہی کرنے پر قانع رہا، ہندوؤں کے تمام جذبات حتی کہ ذات پات کے لغو احساسات کا بھی عام احترام کیا جاتا تھا، ہندو مسلمانوں میں شادی کے خیال کی بھی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی، بعض قبائلی علاقوں میں ایسی شادیاں ہوا کرتی تھیں، لیکن جہانگیر نے اُن کو رکوا دیا جس سے ہندو مسلمان دونوں خوش ہوئے،

قریوں کی خود مختاری کا احترام

ہندوستان کے عوام نے مغل حکومت کے ساتھ وفاداری کا جو ثبوت دیا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان حکمرانوں نے گاؤں کی دیرینہ خود مختاری قائم رکھی، جو اٹھارہویں صدی تک ہندوستانیوں کے معاشرتی اور اقتصادی نظام کا مرکزی جز رہی، گاؤں کی پنچایت جس میں پانچ آدمی یا کبھی اس سے زیادہ بھی ہوتے، اس کی نگرانی کرتی تھی کہ کسی رسم و رواج کی پابندی میں خلل نہ پیدا ہو جائے، امن و امان قائم رہے، اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے باہمی سمجھوتے سے طے ہو جائیں، ایسے زمانہ میں جب کہ حکومت کی رسائی دور دراز علاقوں میں اتنی نہیں تھی جتنی کہ اب ہے، اور جب موروثی زمینداروں کا وجود نہ تھا، گاؤں کا نظام سیاسیات میں بڑی اہمیت رکھتا تھا،

حکومت کے فرائض

مذہبی، معاشرتی اور ذہنی زندگی میں حکومت کے دخل نہ دینے کے معنی یہ تھے کہ حکمرانوں نے اپنے حدود کو پہچان کر اپنے اوپر پابندی عائد کر رکھی تھی، اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا، ارسطو کا قول ہے کہ "انسان ایک سیاسی حیوان ہے" برک نے کہا ہے کہ سوسائٹی یا ریاست کوئی ایسی چیز نہیں جو مصنوعی طور پر پیدا کی جاتی ہے، ہر فرد کو ایک ریاست کا اس لئے رکن ہونا چاہئے، تاکہ وہ اپنی اہمیت محسوس کرے اور اپنے فرائض انجام دے، لیکن کوئی فرد اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے کو غیر مشروط طریقہ پر کسی کے حوالہ کر دے، کسی حکومت کو یہ حق نہیں کہ کسی کے مذہبی اور معاشرتی نظام میں مداخلت کرے، ہاں جمہوری حکومت ایسا کر سکتی ہے لیکن پھر بھی اسے سوسائٹی کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ رسم و رواج کے ذریعہ خود اپنے میں تبدیلی پیدا کرے،

مغل حکومت کے کارنامے

مغل حکومت کے لئے بہت کچھ کام کرنے کو تھے، اسے ملک کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنا تھا، خارجہ پالیسی کی نگرانی کرنی تھی، جان و مال کی حفاظت کرنا، اور امن و امان قائم رکھنا تھا، جرائم کا انسداد کرنا، اور افراد کے درمیان حقوق کے معاہدہ کی پابندی کرانا تھا، ان باتوں کے علاوہ اور دوسرے فرائض بھی انجام دیئے، مثلاً سکے مقرر کئے، تجارت و صنعت کو فروغ دیا، شاہراہیں بنائیں کچھ اسپتال قائم کئے، علوم و فنون کی بڑی سرپرستی کی، جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد ان محصولوں کو بالکل بند کر دیا

جو جاگیردار اپنے ذاتی فائدہ کے لئے وصول کیا کرتے تھے، اُس نے حکم جاری کر دیا تھا کہ سوداگروں کا سامان تجارت چنگی کے لئے عام شاہراہوں پر اُن کی اجازت کے بغیر نہ کھولا جائے، اُس نے سراؤں مسجدوں، اور مدارس کی عمارتیں بنوائیں، ہسپتال قائم کئے، جہاں کے اطبا کو تنخواہیں حکومت کی طرف سے ملتی تھیں، جو شخص لاوارث مر جاتا، اس کے مال و جائداد سے مدرسے سرائیں، تالاب، کنوئیں اور پل وغیرہ بنائے جاتے، مزدوروں کے آرام کے لئے جابجا چھوٹے چھوٹے کنوئیں بھی بنوائے، تمباکو نوشی اور شراب نوشی کے لئے امتناعی حکم جاری کیا، مشرقی بنگال میں بعض انسانوں کو خصی کرنے کا رواج تھا، اس وحشیانہ رواج کو قانون کے ذریعہ ختم کیا، سترہویں صدی کے آخری زمانہ میں اورنگ زیب نے عام اخلاق سنوارنے کے لئے بعض اصلاحی تحریکیں چلائیں، ایک محتسب مقرر ہوا جس کے معاون بہت سے منصبدار اور احدی تھے صوبے داروں کو بھی ہدایت دی گئی کہ وہ اس کار خیر میں مدد کریں، ورنہ ان پر عتاب نازل ہوگا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق احکام جاری ہوتے رہے، پرانی مسجدوں اور خانقاہوں کی مرمت ہوتی رہی، طلبہ کو وظیفے دیئے گئے کہ وہ اطمینان سے دینیات کی تعلیم حاصل کر سکیں،

دربار سے موسیقی اور دوسرے تفریحی مشاغل ختم کر دیئے گئے، چنانچہ جب گویوں نے موسیقی کا جنازہ نکالا، تو اُن سے کہا گیا کہ وہ اس کو اس طرح دفن کریں کہ پھر نہ زندہ ہو سکے، بھنگ اور دوسری نشیلی چیزوں کی قانونی بندش کر دی گئی، اورنگ زیب نے بازاری اور ناچنے والی عورتوں کو شادی کر لینے اور اس کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں اُن کو شہر بدر کر دینے کا حکم دیا، ستی کی رسم کو بھی روکنے کی کوشش کی گئی، محرم میں جلوس نکالنے کی بھی ممانعت ہو گئی، ہولی کے تہوار میں فحش گانے نہیں سُنائے جا سکتے تھے،

یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بعض احکام کی پابندی پورے طور پر نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن اس سے حکومت کے حسن نیت میں کوئی فرق نہیں آتا، اس زمانہ میں رسل و رسائل اور حکومت و عوام کے میل جول میں اتنی دقتیں تھیں کہ کسی حکم کو آسانی سے نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا، پھر بھی اُن احکام سے حکومت کی نوعیت کا

اندازہ ہوتا ہے،

اس زمانہ میں علوم و فنون کو جو ترقی ہوئی، اس سے مغلوں کی حکومت کی سب سے بڑی خوبی ظاہر ہوتی ہے، فارسی مورخوں نے ایسے اہلِ علم کی طویل فہرست دی ہے، جو مغل حکمرانوں کی سرپرستی سے افلاس و غربت سے نکل کر دولت و حشمت کی زندگی بسر کرنے لگے تھے، اس عہد کے فارسی اور ہندی شعراء کے تذکروں کے مطالعہ سے حیرت ہوتی ہے کہ شعراء کی کتنی بڑی تعداد دربار کی فیاضیوں سے مستفید ہوتی تھی، اس زمانہ میں دنیا کی کسی حکومت میں باضابطہ کوئی تعلیمی محکمہ نہ تھا، لیکن مغلوں نے اس کمی کو اہلِ علم کی غیر معمولی سرپرستی کے ذریعہ پورا کیا، جہانگیر کی کوشش سے ہندوستانی مصوری کمال تک پہنچ گئی، یورپ سے رو اور ٹیری جب ہندوستان آئے، تو یہاں کے درباری مصوروں کے کمال کو دیکھکر سب متحیر ہوئے، لاہور میں شاہی خاندان اور امراء کی جو تصویریں اب تک ہیں، وہ دنیا کے بہترین مصوری کے نمونوں میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں، خطاطی بھی ایک اعلیٰ آرٹ کی حیثیت سے سیکھی جاتی تھی، موسیقی کو بھی بڑا فروغ ہوا،

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغلوں کی حکومت ایسی حکومت نہ تھی جو صرف قوانین بناتی تھی، یا محض پولیس کے فرائض انجام دیتی تھی، بلکہ ان چیزوں سے بالا ہو کر وہ ایک ایسی ریاست ہو گئی تھی جس میں کلچر کو فروغ ہوا،

"ص ع"

ادبیات

صبحِ سعادت

جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب بی ڈپٹی کلکٹر آرہ

تیرا وجودِ پاک ہے مظہرِ ذاتِ کبریا
تیرے قدم کی خاک ہے سُرمۂ چشمِ اولیا

غارِ حرا کی خلوتین رنگِ جمالِ ایزدی
بدر و اُحد کی جلوتین شانِ جلالِ کبریا

ظلمتِ شب نہان ہوئی شانِ سحر عیان ہوئی
روے سیاہ فامِ دہر مطلعِ نور بن گیا

چشم براہ تھے ملک شمس و قمر تھے بیقرار
چرخِ کہن تھا منتظر سیکڑون سال سے ترا

رُک گئے فتنہ و فساد بجھ گئی آتشِ عناد
تیری ہدایتون کا جب دہر مین غلغلہ اٹھا

شانِ عجم فنا ہوئی شوکتِ روم مٹ گئی
خاک مین گر ہی ملی قلعۂ شرک گر پڑا

چین و عرب کا تار و پود ہو گیا صرفِ امتثال
مصر و عراق کا شکوہ تیرے قدم پہ جھک گیا

ذرۂ بے نمود کو کر دیا رشکِ آفتاب
قطرۂ بے وجود کو رشکِ گہر بنا دیا

دشمنِ سخت دل سے بھی تو نے لیا نہ انتقام
اُس کو دیا پیامِ عفو کی جو کسی نے بھی خطا

خواب مین بھی حقیقتین ہوتی تھین تجھ پہ منکشف
بند تھی چشمِ ظاہری دیدۂ قلب باز تھا

گونج اٹھا جہان مین نغمۂ صلح و آشتی
بغض و نفاق کا چراغ تیرے نفس سے بجھ گیا

بکھرے قبیلے ہو گئے تیرے اثر سے متحد
پھول پڑے تھے منتشر بن گئے ہار خوشنما

پیکرِ خاک پر ترے نورِ ازل تھا جلوہ پاش
فرش زمین پہ تھا قدم عرش برین نظر مین تھا

لات و ہبل کی برتری خاک پہ سرنگون ہوئی
وحدتِ حق کا جب علم تو نے بلند کر دیا

شیوۂ عدل سے ہوا ظلم و ستم کا انسداد
تیرے پیامِ امن سے فتنہ و شر ہوئے فنا

خُلق و کرم کی ریزشین بگڑی ہوؤن کی چارہ ساز
لطف و عطا کی بارشین بھٹکے ہوؤن کی رہنما

تھا تری بزم کا چراغ سوز و گداز حیدری
نغمہ تھا تیرے ساز کا قتلِ حسین کربلا

تو نے مٹا دی دہر مین رسم تمیز رنگ و خون
خواجہ و بندہ ہو گئے دوش بدوش و ہم نوا

رحمتِ عام بن گیا تیرا پیامِ آخری
صلِ علیٰ و مرحبا صلِ علیٰ و مرحبا

عشق

از جناب شہ زور کاشمیری

وہ حُسنِ لم یزل کا اولین جذبہ نمایش کا
وہی یعنی محرک حکمِ کن دینے کی خواہش کا

وہ ایک احساس حق آگاہ جس کا حق ہے انسان مین
وہ جس نے ایک دن الٹا نقاب اللہ کا بڑھ کر

وہ شاہنشہ جلال و جاہ و فر جس کا دوامی ہے
ازل جس کا پیامی ہے ابد جس کا سلامی ہے

وہ اک نورِ محیطِ کل کہ اندازہ نہین جس کا
خدائی جس کی غایت اور مرکز ہے یقین جس کا

وہ اک طرزِ عبادت دینِ فطرت کی شریعت مین
جو وجہِ نازشِ معبود ہے اپنی طریقت مین

وہ رحمت جس کا باطن کبریائی ہے خدائی ہے
جہانِ رنگ و بو مین جس کا ظاہر مصطفائی ہے

وہ نزہت جو کہ ایمن پہ بھڑک کر بن گئی بجلی
وہی جو آتشِ نمرود مین بن کر چمن لہکی

وہ سوزش جو سماتی ہی نہ تھی فطرت کے ایوان مین
وہ جو آخر سمائی عشق بن کر قلبِ انسان مین

اشارے سے اُسی کے مین ترے کوچہ مین آیا ہون
ترے کوچہ مین آ کر وسعتِ عالم پہ چھایا ہون

غزل

از جناب حکیم بشیر الدین صاحب شفق جوالاپوری

کچھ اس طرح نظر میں سمائے ہوئے ہو تم
ہر نقشِ ماسوا کو مٹائے ہوئے ہو تم

پردے میں لاکھ خود کو چھپائے ہوئے ہو تم
میری نظر نظر میں سمائے ہوئے ہو تم

دنیائے اعتبار پہ چھائے ہوئے ہو تم
اب فرقِ بُعد و قرب مٹائے ہوئے ہو تم

میری نظر نظر میں تمہارا جمال ہے
میرے نفس نفس میں سمائے ہوئے ہو تم

ہر منظرِ نگاہ پہ تم ہو نظر فروز
ہر وسعتِ خیال پہ چھائے ہوئے ہو تم

یوں چشمِ منتظر میں سمائے ہوئے ہو تم
بیداریوں کو خواب دکھائے ہوئے ہو تم

پھولوں میں رنگ و بو ہو ستاروں میں روشنی
ذرّوں کو آفتاب بنائے ہوئے ہو تم

سوزِ جگر سے اشکِ محبت ہے شعلہ تاب
پانی میں کیسی آگ لگائے ہوئے ہو تم

آئینہ دیکھتے ہو، مگر یہ بھی دیکھ لو
اپنا حریف آپ بنائے ہوئے ہو تم

جس سے ہے مرتعش دلِ صد حسنِ کائنات
ہاں! وہ ربابِ شوق بجائے ہوئے ہو تم

اک بھید ہے جو کھل کے کسی پر نہ کھل سکا
اک راز ہے جو چھپ کے چھپائے ہوئے ہو تم

ہیں شکوہ سنجِ گردشِ لیل و نہار ہم
کچھ ان دنوں جو آنکھ بچائے ہوئے ہو تم

پستی پہ اُس کی خاک کے ذرّے ہیں خندہ زن
اپنی نظر سے جس کو گرائے ہوئے ہو تم

جلوہ طرازیاں ہیں مرے شوقِ دید کی
جن کو مری نظر سے چھپائے ہوئے ہو تم

پھر دل لگی سے باز بھی آتے نہیں شفق
ہاتھوں سے دل کے گرچہ ستائے ہوئے ہو تم

مطبوعاتِ جدیدہ

جہنم کے دروازوں پر، از جناب اسعد گیلانی تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد ے/ر پتہ:- مکتبہ افکار نو یعقوب خان روڈ کراچی۔

تبلیغی اور اصلاحی افسانہ ہے جس میں بقول مصنف ایک ایسے مسافر کی سرگذشت ہے، جو جہالت کی تنگ گھاٹیوں سے چلا، اور چلتے چلتے اسلام کے حدود میں جانکلا، پھر اس نے اس سفر کو ایک داستان کی صورت میں مرتب کر دیا، افسانہ کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ایک نوجوان حامد ایرفورس میں داخل ہوتا ہے، اور اس میں تیرہ مہینے رہتا ہے، اس دوران میں اس کو اس زندگی کے خصوصاً اور دنیا کے عموماً اچھے برے حالات سے سابقہ پڑتا ہے، اور اس کی نیرنگیوں اور موجودہ زمانہ کی برائیوں کے مشاہدہ کا موقع ملتا ہے، وہ اُن پر غور کرتا ہے، اور بالآخر اس زمانہ کی غیر اسلامی اور انسانیت دشمن زندگی کو چھوڑ کر اسلام کی صحیح راہ پر آجاتا ہے، اس سرگذشت کے سلسلہ میں مصنف نے موجودہ سوسائٹی کے فسادِ اخلاق، معاشرتی برائیوں، اخلاقی پستیوں، غربت و سرمایہ داری، معاشی ناہمواری اور حاکمیت و محکومیت کے برے مظاہر وغیرہ موجودہ تمدن اور نظامِ اخلاق کی خرابیوں کو دکھایا ہے، اور صحیح انسانی و اخلاقی تصورات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مصنف کی نیت نیک اور اُن کا مقصد محمود ہے، لیکن یہ کتاب یا اُن کی پہلی تصنیف ہے، یا ان کے دماغ میں جو مختلف قسم کے خیالات آتے گئے، اُن کو بغیر کسی اہتمام اور غور و فکر کے قلم برداشتہ لکھتے چلے گئے ہیں اسلئے اس کتاب میں نہ ادب و افسانے کی دلآویزی اور تاثیر ہے، اور نہ علمی و منطقی بحث و استدلال اور وہ محض ایک خشک، بے مزہ طویل داستان اور خیالاتِ پریشاں کا مجموعہ بن گئی ہے، انداز بیان اس قدر غیر دلچسپ طویل

اور تھکا دینے والا ہے کہ اس کتاب کا پڑھنا خود ایک بڑا امتحان ہے، زبان و انداز بیان مین نہ صرف خامیان بلکہ فاحش غلطیان ہین، خیالی مضامین کے علاوہ جہان واقعات آگئے ہین، وہ بھی صحت سے خالی ہین، مثلاً لکھنؤ کے سیر کے سلسلہ مین مصنف نے شاہانِ اودھ کے مقبرون کی جو بھیانک تصویر دکھائی ہے وہ سرے سے غلط ہے، ان کو یہ بھی نہین معلوم کہ ایک مقبرہ کے علاوہ جو غالباً سعادت علی خان کا ہے، اور قیصر باغ کے متصل ہے، شاہانِ اودھ کے مستقل مقبرے ہی نہین ہین، بلکہ وہ لکھنؤ اور فیض آباد کے تاریخی اور شاندار امام باڑون مین دفن ہین، اور قیصر باغ کا مقبرہ بھی اچھی حالت مین ہے، اسی طریقہ سے لکھنؤ کو طوائفون کا قبرستان کہنا نہ صرف بد مذاقی بلکہ علم و ادب سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، معلوم ہوتا ہے مصنف نے کبھی اس سمت کا سفر ہی نہین کیا ہے، چنانچہ ملیح آباد اسٹیشن لکھنؤ سے کلکتہ جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، اور لکھنؤ سے اتنی دور کہ گیارہ بجے رات کو لکھنؤ سے گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہوتی ہے، تو صبح کو ملیح آباد اسٹیشن آتا ہے، حالانکہ کلکتہ لکھنؤ سے پورب ہے، اور ملیح آباد پچھم، اور لکھنؤ سے کلکتہ جاتے ہوئے نہین پڑتا، اور لکھنؤ اور ملیح آباد کے درمیان صرف ایک اسٹیشن کا فاصلہ ہے، اور چند منٹون مین گاڑی پہنچ جاتی ہے، اس قبیل کی اور بہت سی غلطیان ہین، اس کتاب کا سب سے بڑا عیب اُس کی غیر ضروری طوالت اور بے مزہ انداز بیان ہے، پڑھنے والے پر مشکل ہی سے اس کا اثر پڑ سکتا ہے، تاہم مصنف کا مقصد نیک اور لائقِ ستایش ہے،

انقلابِ اسلام مترجمہ جناب ایم اسلم صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ دار البلاغ محمد نگر اقبال روڈ لاہور،

عرصہ ہوا ایک اسٹرین نو مسلم فلکیس ویلانی نے "دی پولیٹکل اینڈ ریلیجس ریوولیوشن آف اسلام" کے نام سے انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، انقلاب اسلام اسی کا اردو ترجمہ ہے، اس مین چار باب یا چار بحثین ہین، یورپ اور ایشیا "انقلاب ترکی" "مصر" اور "روس اور ایشیاے کوچک" ان چارون ابواب مین مذکورہ بالا ملکون مین یورپین حکومتون خصوصاً برطانیہ اور روس کی استعماری سیاست اُن کی ریشہ دوانیون، اُن کے مکر و فریب اور انکے ظلم و زیادتیون کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے، اور انقلاب ترکی تک ان ملکون کی مختصر سیاسی سرگذشت بیان کی گئی ہے، جس سے ان ملکون مین یورپین حکومتون کی مکروہ اور جابرانہ سیاست کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، مترجم نے کتاب کے آخر مین اسلامیانِ ہند پر ایک طائرانہ نظر کے عنوان سے ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے لیکر قیام پاکستان تک ہندوستان کے مسلمانون کی مختصر سیاسی روداد بھی بڑھا دی ہے جس مین پاکستانی نقطۂ نظر نمایان ہے، جو اگرچہ صحت سے خالی نہین ہے لیکن اس سے پورا اتفاق نہین کیا جا سکتا، یہ کتاب گذشتہ جنگ عظیم سے پہلے لکھی گئی تھی، اور اب حالات بہت بدل چکے ہین، اس لئے اس مین نئے تغیر کا ذکر نہین ہے، تاہم وہ گذشتہ تاریخ کی حیثیت سے مفید اور کارآمد ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

شعر و نغمہ از جناب یعقوب صاحب عثمانی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ پتہ :- (۱) مصنف محلہ کھائی اورنگ آباد (۲) ہادی القادری لکچرار نظام کالج حیدرآباد (۳) اردو محل مجرو گاہ معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد دکن،

آج کل سب سے زیادہ ارزان جنس اور شہرت کا سب سے آسان نسخہ شاعری ہے، ہر وہ نو آموز جو اپنی خوشگوئی سے عوام کو متوجہ کر سکتا ہو وہ اُن مین جلد شہرت و مقبولیت حاصل کر لیتا ہے، لیکن ان حضرات لائق شعرا کے علاوہ ایسے سنجیدہ اور با مذاق شاعر بھی نظر آجاتے ہین، جو اپنی شاعرانہ صلاحیتون کے با وجود عام نگاہون سے مخفی رہتے ہین، انہی مین مصنف شعر و نغمہ بھی ہین، اگرچہ اُن کے نام اور کلام سے پہلی مرتبہ واقفیت حاصل ہوئی، مگر پہلی ہی نظر مین اس کا اندازہ ہو گیا کہ وہ خیالات، طرزِ ادا، زبان کی صحت، صفائی وغیرہ محاسنِ شاعری کے اعتبار سے صحیح معنون مین شاعر کہلانے کا مستحق اور آج کل کے بہت سے مقبولِ عوام شعرا کے کلام سے بہتر ہے، مصنف کا مقدمہ بھی اُن کے ذوقِ شعری کا آئینہ دار ہے،

پیارے نبی از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۲ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عمر پتہ :- اردو گھر، ۲۰۸ مارٹن روڈ کراچی،

اس کتاب مین مصنف نے اپنے مخصوص طرزِ تحریر مین سوانح نبوی اور سیرت پاک کے مختصر حالات

خُلق، اور اُسوۂ حسنہ کے واقعات اسلام کے ضروری عقائد وارکان اور اخلاقی تعلیمات کو سادہ اور

انداز مین لکھا ہے، جس سے تاریخی اور مذہبی معلومات دونون فوائد حاصل ہو جاتے ہین، کتاب بچون کو

پڑھانے کے لائق ہے،

حسنِ معاشرت، از خیر النسار صاحبہ والدہ مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی تقطیع اوسط، ضخامت ۸۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۱۰/ پتہ:۔ مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

اردو مین لڑکیون کی تعلیم وتربیت کی اچھی کتابین بہت کم ہین، یہ مفید کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین لڑکیون کی گھریلو زندگی کے تمام فرایض خانہ داری، پرورش اولاد متعلقین کا لحاظ، اُن کے حقوق وفرایض حسنِ معاشرت، مذہبی زندگی وغیرہ، جملہ معاشرتی اخلاقی اور انتظامی امور کی تعلیم دیگئی ہے جس سے ایک عورت میکہ اور سسرال دونون مین کامیاب اور مسرور زندگی بسر کر سکتی ہے، یہ کتاب لڑکیون کے نصاب مین رکھنے کے لائق ہے،

تعلیم الاسلام، از مولانا سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸/ پتہ، مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ،

یہ مختصر رسالہ مولانا حکیم سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلمار کی تصنیف ہے، اس مین آسان زبان مین نماز روزہ، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی اور عقیقہ کے ضروری مسائل اور قریبی اعزہ، پڑوسیون، اور مسلمانون کے باہمی حقوق وفرایض تحریر کئے گئے ہین، یہ کتاب بھی مسلمان بچون کے پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۱ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات